قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ
الفضل
لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

ہفتہ 17/ ستمبر 2022ء | 20/ صفر 1444 ہجری قمری | 17/ تبوک 1401 ہجری شمسی | جلد: 4 | شمارہ: 199

ارشادِ باری تعالیٰ

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ ؕ وَمَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۱۳﴾

(لقمان: 13)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی (یہ کہتے ہوئے) کہ اللہ کا شکر ادا کر اور جو بھی شکر ادا کرے تو وہ محض اپنے نفس کی بھلائی کے لئے ہی شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو یقیناً اللہ غنی ہے (اور) بہت صاحبِ تعریف ہے۔

فرمانِ خلیفۂ وقت

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف کرتے ہوئے اور شکر کرتے ہوئے زندگی گزارنی چاہئے۔ آپ اپنے پیاروں کے بارے میں ہمیشہ یہ پسند فرماتے تھے کہ وہ شکر گزار بنیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دفعہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ! بخدا میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اے معاذ! میری تمہیں یہ نصیحت ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرنا کبھی نہ بھولنا کہ ’’اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیۡ عَلٰی ذِکۡرِکَ وَشُکۡرِکَ وَحُسۡنِ عِبَادَتِکَ‘‘ یعنی اے میرے اللہ! مجھے توفیق بخش کہ میں تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر کروں اور احسن رنگ میں تیری عبادت کروں۔

(ابوداؤد کتاب الوتر باب فی الاستغفار)

پھر آپؐ ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس نے کھانا کھایا اور اس نے دعا کی کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَطۡعَمَنِیۡ ھٰذَا وَرَزَقَنِیۡہِ مِنۡ غَیۡرِ حَوۡلٍ مِّنِّیۡ وَلَا قُوَّۃٍ غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِہٖ یعنی سب تعریف اللہ کی ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے یہ رزق بغیر اس کے کہ میری کسی طاقت یا قوت کا دخل ہو عطا فرمایا۔ تو اس سے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(ترمذی کتاب الدعوات باب ما یقول اذا فرغ من الطعام)

پس شکر گزاری کے جذبات ہی ہیں جو گناہوں کی بخشش کے بھی سامان کرتے ہیں اور پھر اس وجہ سے مزید نیکیاں کرنے کی توفیق بھی پیدا ہوتی ہے۔

(خطبہ جمعہ یکم اپریل 2005ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- اک بار ہاتھ چومنے دیں ہم کو بھی حضور (منظوم)
- قرض ہے واپس ملے گا تم کو یہ سارا اُدھار
- ’’اپنے جائزے لیں‘‘
- جماعت احمدیہ کا نظام خلافت
- نبی کا احترام
- سو سال قبل کا الفضل
- دیوسائی اور کسارا جھیل
- مرکزی نمائندگان کے اعزاز میں عشائیہ اور ایک مشاعرہ کا انعقاد
- تخمینہ Estimate کی اہمیت

فرمانِ رسولؐ

سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنۡ لَّمۡ یَشۡکُرِ الۡقَلِیۡلَ لَمۡ یَشۡکُرِ الۡکَثِیۡرَ وَمَنۡ لَّمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ

(مسند احمد، کتاب اول مسند الکوفیین، حدیث النعمان بن بشیر حدیث 18449)

ترجمہ: جو تھوڑے پر شکر نہیں کرتا وہ زیادہ پر بھی شکر نہیں کرتا اور جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحاتِ قلم

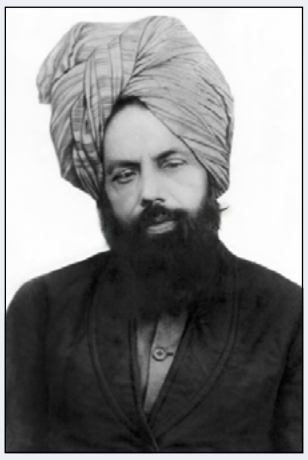

تمہارا اصل شکر تقویٰ اور طہارت ہی ہے

- ...اگر تم نے حقیقی سپاس گزاری یعنی طہارت اور تقویٰ کی راہیں اختیار کر لیں تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم سرحد پر کھڑے ہو، کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 49 ایڈیشن 1988ء)

- یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ اس نے کامل اور مکمل عقائد صحیحہ کی راہ ہم کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بدوں مشقت اور محنت کے دکھائی ہے۔ وہ راہ جو آپ لوگوں کو اس زمانے میں دکھائی گئی ہے بہت سے عالم ابھی تک اس سے محروم ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے اس فضل اور نعمت کا شکر کرو اور وہ شکر یہی ہے کہ سچے دل سے ان اعمال صالحہ کو بجالاؤ جو عقائد صحیحہ کے بعد دوسرے حصہ میں آتے ہیں اور اپنی عملی حالت سے مدد لے کر دعا مانگو کہ وہ ان عقائد صحیحہ پر ثابت قدم رکھے اور اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 94-95 ایڈیشن 1988ء صفحہ 166)

- تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو شریعت کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر شریعت کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہیں تو مغز شریعت تقویٰ ہی ہو سکتا ہے۔ تقویٰ کے مدارج اور مراتب بہت سے ہیں۔ لیکن اگر طالب صادق ہو کر ابتدائی مراتب اور مراحل استقلال اور خلوص سے طے کرے تو وہ اس راستی اور طلب صدق کی وجہ سے اعلیٰ مدارج کو پالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ (المائدہ: 28) گویا اللہ تعالیٰ متقیوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ ...لہٰذا ہماری جماعت کو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر ایک ان میں سے تقویٰ کی راہوں پر قدم مارے۔ تا کہ قبولیتِ دعا کا سرور اور حظ حاصل کرے اور زیادتی ایمان کا حصہ لے۔

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 68 ایڈیشن 1988ء)

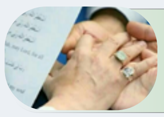

دربارِ خلافت

ہمارا مقصد مستقل مزاجی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

یہ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں آ کر وقتی جوش اور جذبے کے تحت بعض قربانیاں کر لینا ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد مستقل مزاجی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اور عبادت کے معیار اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ یہ علم ہو کہ خدا تعالیٰ تمام طاقتوں کا مالک ہے اور میرے ہر قول اور ہر فعل کو دیکھ رہا ہے اور نہ صرف ظاہری طور پر دیکھ رہا ہے بلکہ میرے دل کی گہرائی تک اس کی نظر ہے۔ میری نیتوں کا بھی اُس کو علم ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہوئیں۔ اور جب یہ حالت ہو تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک انسان کوشش کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ یعنی کوئی عمل صرف دنیاوی خواہشات پوری کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ ہر کوشش اور ہر نیکی خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہو۔ ہماری عبادتیں صرف اُس وقت نہ ہوں جب ہمیں خدا تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے، جب ہم کسی مشکل میں گرفتار ہیں، جب ہماری دنیاوی ضرورتیں پوری نہیں ہو رہیں، بلکہ ہماری عبادتیں آسائش اور کشائش میں بھی ہوں۔ یہ نہ ہو کہ دنیاوی معاملات اور دنیاوی بکھیڑے اور دنیاوی کاروبار ہمیں خدا تعالیٰ کی عبادت سے دُور کر دیں۔ یہ مسجد صرف ایک عمارت نہ رہے اس مسجد کی وسعت اور خوبصورتی صرف یہی نہ یاد دلائے کہ ہم نے اتنا وقت مسجد کی تعمیر کے لئے صَرف کر دیا۔ اتنے وقارِ عمل ہم نے کئے، اتنے پیسے ہم نے بچائے۔ ہم نے اتنے گھنٹے وقارِ عمل کیا۔ ہم نے اتنا چندہ اس کی تعمیر کے لئے دیا، بلکہ یہ عمارت یہ یاد کروانے والی ہو کہ اس دنیا میں مسجد کی تعمیر کرنا اگلی زندگی میں خدا تعالیٰ کے اُس انعام کا وارث بنائے گا جس میں خدا تعالیٰ جنت میں گھر بنا کر دے گا۔ اور یہ گھر بھی اُس وقت بنے گا جب اِس گھر کی تعمیر کے بعد اس کا حق ادا ہو رہا ہو گا۔ اور مسجد کا حق ادا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرنے سے جس کا ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اُن آیات میں ذکر فرمایا ہے جن کی میں نے تلاوت کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی مومن وہ ہیں جن کو اُن کی تجارتیں اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتیں۔ کس چیز سے غافل نہیں کرتیں؟ فرمایا: عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نمازوں کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ پس ہم احمدیوں نے وہ حقیقی مومن بننا ہے جو ان خصوصیات کے حامل ہوں۔ یہاں نماز سینٹر تو پہلے بھی تھا لیکن سینٹر اور باقاعدہ مسجد میں ایک ظاہری فرق بھی ہے۔ سینٹر ایک ہال ہے۔ مسجد میں گنبد بھی ہوتا ہے، مینارہ بھی ہوتا ہے اور مسجد کے نام سے ہی اس کا ایک علیحدہ تقدس بڑھتا ہے۔ پہلے دورے میں جب میں نے آپ کو کہا تھا کہ یہاں باقاعدہ مسجد بنائیں۔ تو ایک تو یہ مقصد تھا کہ مسجد کا مینارہ اور گنبد آپ کو یاد دلاتا رہے کہ ہم نے مال اور وقت کو قربان کرنے کے بعد جو مسجد بنائی ہے اس کا حق بھی ہم نے ادا کرنا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مسجد کا مینارہ اور گنبد اردگرد کے ماحول کے لئے بھی قابلِ توجہ ہوتا ہے۔ اور اس سے تبلیغ کے راستے بھی کھلیں گے۔ لوگوں کی اس طرف توجہ پیدا ہو گی اور اسلام کی حقیقی تصویر دیکھنے کی تلاش میں لوگ یہاں آئیں گے یا ویسے تجسّس میں آئیں گے۔ یہ لوگ کیسے ہیں، کیسے مسلمان ہیں؟ ابھی تک مَیں نے یہی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی جماعت احمدیہ مسلمہ کا تعارف کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور اس تعارف کی وجہ سے پھر اس مسجد کا حق ادا کرنے کی طرف توجہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ جو یہاں رہنے والے لوگ ہیں وہ اس مسجد کا حق ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ افرادِ جماعت کو اس طرف توجہ پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہئے کہ ہم نے یہ حق ادا کرنا ہے۔

مسجد کا حق کیا ہے؟ سب سے پہلا حق تو یہی ہے کہ تمہاری تجارتیں، تمہارے کاروبار، تمہاری مصروفیات تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دُور کرنے والی نہ ہوں بلکہ نمازوں اور ذکر کی طرف یہ تجارتیں بھی تمہیں توجہ دلانی والی ہوں۔ جب حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کی آواز آئے کہ اے لوگو! نماز کی طرف آؤ تو کاروبار بھول جاؤ، سب تجارتیں بھول جاؤ اور مسجد کی طرف دوڑو۔ اب یہ بھی اس زمانے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمارے تو فاصلے بہت ہیں۔ اذان بھی اندر ہوتی ہے آواز تو نہیں آتی۔ اور جس آواز میں آج اذان دی گئی ہے یہ تو اتنی ہلکی آواز تھی کہ ہال میں بھی مشکل سے آتی تھی۔ تو اس کے لئے پھر کیا کیا جائے؟ تو اس کے لئے تو آپ کو ویسے ہی احساس دلاتے رہنا چاہئے کہ ہم نے مسجد اس لئے بنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کریں۔ اپنے مقصدِ پیدائش کو پہچانیں۔ دوسرے میں نے پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے کہ آجکل ہر ایک موبائل فون جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو پھر اس کا بہترین استعمال کریں کہ نمازوں کے اوقات میں اذان کی آواز میں ہی الارم بج جائے۔ اور جو قریب ترین ہیں وہ مسجد میں آئیں اور جو دُور ہیں وہ اپنی نمازیں ادا کرنے کی طرف توجہ کریں۔ اپنے کاموں کی جگہ پر جب آپ نمازوں کا خیال رکھتے ہوئے نماز ادا کر رہے ہوں گے تو اردگرد لوگوں کو توجہ پیدا ہو گی کہ تم کون ہو؟ پھر مسجد کی عمارت کا تعارف ذریعہ بن جائے گا۔

(خطبہ جمعہ یکم نومبر 2013ء بحوالہ الاسلام)

اک بار ہاتھ چومنے دیں ہم کو بھی حضور

اک بار ہاتھ چومنے دیں ہم کو بھی حضور
قرب و جوار میں ترے رہ کر بھی دور ہیں

چھاؤں میں تیری بیٹھ کے دل کو سکوں ملے
تیری محبتوں کے سمندر بھی طور ہیں

آئے ہیں تیرے در پہ بصد عجز و انکسار
عشق و وفا کی راہ میں عقلوں سے دور ہیں

مدت سے منتظر ہیں عنایاتِ یار کے
محوِ صنم بشوقِ درِ یار چور ہیں

آنکھیں کریں گے ٹھنڈی یہ دل پائے گا سرور
مسرور تیرے جسم و جاں بھی رب کا نور ہیں

حافظ مستنصر احمد قاہر

دعا کا تحفہ

الٰہی پناہ میں آنے اور ہر قسم کے شر سے بچنے کی دعا

حضرت عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ قرآن کی آخری تین سورتیں رات کو سوتے وقت پڑھ کر سویا کرو۔ ان جیسی کوئی چیز نہیں جس سے پناہ مانگی جائے۔ (نسائی)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضور ﷺ جب کبھی بیمار ہوتے تو آخری دو سورتیں پڑھ کر ہاتھوں میں پھونک کر جسم پر مَل لیتے۔ جب آخری بیماری شدید ہوئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک کر آپؐ کے بدن پر مل دیتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۲﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۳﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ﴿۴﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۵﴾

(الاخلاص: 1-5)

تو کہہ کہ اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں) نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور ا(اس کی صفات میں) اس کا کوئی شریک کار نہیں۔

(قرآنی دعائیں از خزینۃ الدعا مرتبہ علامہ ایچ ایم طارق ایڈیشن 2014ء صفحہ 42-43)

مرسلہ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی

اداریہ

قرض ہے واپس ملے گا تم کو یہ سارا اُدھار

''یہ اسلام نہیں ہے، یہ بدبختیاں تمہاری شامت اعمال ہیں'' (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

مورخہ 12/ اگست 2022ء کو جماعت احمدیہ کے مرکز ربوہ کے بس اڈہ پر دل دہلا دینے والا ایسا وحشتناک واقعہ پیش آیا ہے کہ جس کسی محب وطن نے سنا اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا اسی بے امنی اور عدم تحفظ کو پھیلانے کے مقصد کے لیے پاکستان اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا؟

واقعہ یوں ہے کہ ایک مذہبی جنونی نے جو اپنا تعلق کالعدم تحریک لبیک پاکستان (TLP) سے بتاتا رہا۔ ربوہ کے لاری اڈہ پر 62سالہ ایک بزرگ اور معصوم شخص کو صرف اس وجہ سے چھریوں کے پے در پے وار کر کے قتل کر دیا کہ اس نے خادم رضوی اور لبیک یا رسول اللہ پر زندہ باد کا نعرہ بلند نہیں کیا۔ اور جب اس مذہبی جنونی اور دہشت گرد کو گرفتار کیا گیا تو وہ ایک کمزور اور بے تعلق حدیث ''مَنۡ سَبَّ نَبِیًّا فَاقۡتُلُوۡہُ'' بلند آواز سے پڑھتا رہا اور غرور اور تکبر کی وجہ سے اس طرح بن رہا تھا جیسے ابھی افغانستان فتح کر لیا ہو۔

اور وہ بد بخت اللہ تعالیٰ کی یہ آیت بھول گیا، جس کی روشنی میں وہ جہنم کا وارث، اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا مورد بن گیا۔ بلکہ اس کے کسی نام نہاد استاد تک کو بھی یہ معلوم نہیں ہو گی۔ اے کاش! یہ ملاں، اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو غور سے پڑھیں، اس پر عمل کریں اور کروائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ﴿۹۴﴾

(النساء: 94)

ترجمہ: اور جو (شخص) کسی مومن کو دانستہ قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہو گی۔ وہ اس میں دیر تک رہتا چلا جائے گا۔ اور اللہ اس سے ناراض ہو گا اور اسے (اپنی جناب سے) دور کر دے گا اور اس کے لیے (بہت) بڑا عذاب تیار کرے گا۔

انہی دنوں ایک وڈیو وائرل ہوئی جس میں عارف والا ساہیوال کے قریب ایک گاؤں میں جرمنی سے آئے ہوئے ایک احمدی کو اس لیے زدو کوب کیا گیا کہ اس کے والد نے 1971ء کی پاک و ہند جنگ میں پاکستان کی طرف سے لڑتے ہوئے شہادت کا درجہ پایا تھا جس پر اس جرمن احمدی نے اپنے مکان کے باہر والد کے نام کے ساتھ لفظ ''شہید'' لکھ کر نیم پلیٹ لگائی تھی۔ جس پر ایک ہجوم نے نہ صرف اس احمدی کو گالم گلوچ کی اور اس کے مرحوم والد شہید کو گالیاں بکیں اور کہا کہ جو مسلمان نہیں وہ شہید کیسے ہوا۔

اس سے قبل پشاور میں کئی دہائیاں قبل مدفون احمدی کی ہڈیاں باہر نکال پھینکی گئیں کہ یہ مسلمانوں کا قبرستان ہے اس میں احمدی دفن نہیں ہو سکتا۔ احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی تو آئے دن پاکستان میں ہوتی ہی رہتی ہے۔ ایسے کتبے جن پر کلمہ لکھا ہو یا آیات قرآنیہ لکھی ہوں بے دردی سے مسمار کئے جا رہے ہیں۔ مساجد کے مینار اور محراب توڑنا بھی آئے روز کا کام ہے جس میں نام نہاد مولوی تو شامل تھے ہی اب تو انتظامیہ بھی شامل ہو رہی ہے۔ منصوبے کے تحت رات کو پورے گاؤں کی بجلی Off کر کے اندھیرے میں مساجد کے مینار گرانے کا کام حکومتی سطح پر دیکھنے کو ملتا ہے تا وڈیو اور فوٹو گرافی نہ ہو سکے۔ مساجد پر لکھے کلمے کو ہتھوڑوں سے توڑا جاتا ہے اور بعض جگہوں پر احمدی مساجد میں موجود قرآن کی بے حرمتی بھی ہوئی اور تو اور احمدیوں نے جب عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا تو چھوٹی عدالتوں سے لے کر بڑی عدالت تک انصاف صرف اس لیے نہیں ملا کہ جج مولویوں کی دھمکیوں کی وجہ سے ڈرتے دکھائی دیے۔

ساہیوال کے واقعہ پر جلوس یعنی Mob کے ایک غنڈے کو وڈیو میں یہ کہتے سنا جا سکتا ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا ہے۔ اس کے لیے قربانیاں دی گئی ہیں اس لیے کسی غیر مسلم کو اسلامی نام یا اصطلاحیں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

اس مشتعل شخص کے ان الفاظ پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

1. آپ کے نام نہاد لیڈروں، آج کے ملاؤں نے تو پاکستان بننے کی سخت ترین مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ ہم پاکستان کی ''پ'' تک نہیں بننے دیں گے اور بعضوں نے اسے پلیدستان تک بھی کہہ دیا تھا۔
2. دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام کے نام پر یہ ملک لیا ہے تو اسلام کی پیاری تعلیم تو اس قسم کی ہنگامہ آرائی اور ظلم و بربریت کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ تو امن و آشتی کی تعلیم ہے۔ ایک مسلمان معاشرہ میں دیگر مذاہب کے لوگ بھی اسی طرح آسانی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں جس طرح غیر مسلم معاشرہ میں وہ بسر کرتے ہیں۔ اسلام کے معنی ہی سلامتی کے ہیں اور مسلمان کی تعریف آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی۔

اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ کہ مسلمان وہ ہے جس کے زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہاں یہ مولوی یا مشتعل ہجوم کہہ سکتا ہے کہ ہم تو آپ کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے یہاں تو مسلمان کی حفاظت کا مسلمان کے ہاتھوں کرنے کا ذکر ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو بھی حل فرما دیا۔ مومن جو مسلم سے اگلا درجہ ہے کی تعریف میں فرمایا المُؤمِنُ مَن یأمِنَہ النّاسُ کہ مومن وہ ہے جس سے معاشرہ کے دوسرے لوگ امن میں رہیں۔ مگر ان مسلمانوں سے ملک میں بسنے والے ہم احمدی تو کیا دیگر سرکاری مسلمان بھی محفوظ نہیں۔ قتل و غارت، چور بازاری، عزتوں سے کھیلنے کا بازار تو روزانہ ہی بلکہ ہر لمحہ جاری رہتا ہے۔

اب جہاں تک ربوہ اڈا پر ہونے والی بھیانک واردات کا تعلق ہے اس میں نامراد قاتل بلند آواز سے ایک کمزور اور ضعیف حدیث مَنۡ سَبَّ نَبِیًّا فَاقۡتُلُوۡہُ کا مسلسل ورد کرتا جا رہا ہے۔ یہ حدیث مدرسہ کے طلبہ کو آج کل نہ صرف پڑھائی جا رہی ہے بلکہ حفظ کروا کر احمدیوں کے قتل پر اکسایا جاتا ہے۔ جہاں تک اس حدیث جس کا ترجمہ ہے کہ جس کسی نے نبی کو گالی دی اُسے قتل کر دو، کا تعلق ہے نبی کا لفظ کسی نبی کے لیے خاص نہیں ہے۔ نبی کی اس وسیع تعریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق آخری زمانہ میں آنے والا وہ نبی بھی ہے جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق چار دفعہ نبی اللّٰہ، نبی اللّٰہ، نبی اللّٰہ، نبی اللّٰہ کے الفاظ سے پکارا ہے۔ یہاں یہ نام نہاد ملّاں اس نبی کے قتل کے بھی در پے ہو جاتے ہیں کجا یہ کہ اس کو گالی دینے والے۔ جب کہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ کسی گروہ کے مذہبی لیڈر کو برا بھلا نہ کہو۔ اگر وہ ہستی ہمارے لیے محترم اور مبارک ہے تو اس کو برا بھلا کہنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی یہی سلوک کرنا چاہئے لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری تعلیم عین اسلامی تعلیم سے آشکار ہے جو ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے 15 سو سال قبل دی تھی۔

اس کمزور اور ضعیف حدیث کے مضمون کو دیکھیں تو یہ خلاف تعلیم قرآن اور خلاف احکام اسلام ہے۔ یہ احادیث میں بیان ہونے والی تعلیمات کے منافی ہے اور سنت رسولؐ بھی اس پر صاد نہیں کرتی اگر تاریخ اسلام اور تاریخ حدیث کا مطالعہ کریں تو اسلام کی پہلی تین صدیوں میں اس حدیث کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ روایت و حدیث وضعی ہے، یعنی خود بنائی گئی ہے۔ جسے حضرت علیؓ کے اڑھائی سو سال کے بعد المعجم الصغیر طبرانی میں بیان کیا گیا۔ صحاح ستہ میں اس کا نام و نشان تک نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ اس حصہ کو بھی شامل کروایا گیا کہ جو میرے صحابی کو گالی دے اسے مارو۔ جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سزا دینے کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ نہ کسی کو کوڑے مارے۔ کسی صحابی کو برا بھلا کہنے پر صرف یہ فرمایا کہ ''میرے صحابی کو گالی نہ دو کیونکہ اگر کوئی اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر لے تو کوئی ان میں سے کسی ایک کے ایک مدّ کے برابر تو کجا اس کے آدھے کے برابر بھی نہ پہنچے گا۔'' (مدّ، غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہوا کرتا تھا)

اس حدیث کو اگر ہم مستند مان کر عمل جائز قرار دے رہے ہیں تو پھر سب سے پہلے تو شیعہ زد میں آتے ہیں اور یہ ایک ایسا دروازہ کھولنے کے مترادف ہو گا جس سے سوائے تباہی اور ندامت کے کچھ حصہ میں نہ آئے گا۔ 1973ء کی قومی اسمبلی پاکستان نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ اس وقت آوازیں اٹھیں تھیں کہ ایسا نہ کریں ورنہ ایک غیر محدود کفر کی فیکٹریوں کا دروازہ کھل جائے گا مگر ان حقیقت پسند لوگوں کی آوازوں پر کان نہ دھرے گئے اور 90سالہ مسئلہ حل کرنے کا سہرا اپنے سر لینے کا بھوت سروں پر سوار تھا اس لیے قومی اسمبلی سے بل پاس کروا لیا گیا اور آج 50سالہ اس کالے دور میں بات یہاں تک آن پہنچی ہے کہ کسی فرقہ کے نزدیک دوسرا فرقہ، مسلمان نہیں ہے۔ یہ لڑائی شہر شہر، گاؤں گاؤں بلکہ گلی گلی اور گھر گھر پہنچ چکی ہے۔ اگر ایک ہی گھر میں سُنّی بھی ہے، شیعہ بھی ہے تو دلی نفرتوں کے ساتھ وہ گھروں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مجھے یاد ہے خاکسار نے 90ء کی دہائی میں لاہور قیام کے دوران ایک مضمون لکھا تھا جو نیشنل اخبارات میں شائع بھی ہوا تھا۔ کہ اگر کفر یا توہین کے مسئلہ کو نہ روکا گیا تو ایک وقت آئے گا کہ توہین مولوی کا قانون بنانا پڑے گا۔ ان تیس سالوں میں قانون تو نہیں بن سکا تاہم یہ آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئی ہیں کہ مولویوں کے خلاف آواز بلند نہ کریں۔ وہ خواہ جھوٹ بولیں، وہ خواہ معاشرہ میں نفرتیں پھیلائیں، وہ خواہ معاشرہ کے امن کو تار تار کریں، قتل و غارت گری کروائیں مگر ان کے خلاف آواز بلند کرنا توہین کے مترادف ہو گا۔

اس مضمون کو اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کی روشنی میں دیکھیں پھر تو کوئی بھی مَنۡ سَبَّ نَبِیًّا فَاقۡتُلُوۡہُ کے تحت نہیں بچتا، سب اس کے شکنجے میں آ جاتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنۡ سَبَّ اَصۡحَابِی فَقَدۡ سَبَّنِی، وَمَنۡ سَبَّنِی فَقَدۡ سَبَّ اللّٰہ

(الصارم المسلول جلد 2 صفحہ 1082)

کہ جس نے میرے صحابی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے

مجھے گالی دی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔

اب اس ”سبّ“ سے تو بڑے بڑے صحابہ کو بھی حصہ ملا۔ یوں معاشرہ کے ایک بڑے حصے کے اس کی لپیٹ میں آنے کے امکانات ہیں اور کثرت کے ساتھ قتل و غارت گری معاشرہ میں دیکھنے کو ملے گی۔

پس مجرم کے اس غیر اسلامی فعل سے جہاں اسلام بدنام ہوا ہے وہاں انسانیت بھی مجروح ہوئی ہے۔ مجروح ہونے کا لفظ تو چھوٹا ہے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ انسانیت کا قتل ہوا ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک شخص کو قتل کیا اس نے گویا انسانیت کا قتل کیا۔

تم بزعم خود ایک احمدی کو قتل کر کے سمجھتے ہو کہ ہم نے احمدیت کو ختم کر دیا اور قاتل اس فعل سے جنت کا وارث ٹھہرا۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ جنت تو دور کی بات، تم جنت کی راہ کو بھی نہ چھوؤ گے۔ تمہارے اس دنیا کے تمام غیر اسلامی اعمال گلے کا طوق بن کر تمہیں جہنم کی راہ دکھلا رہے ہوں گے، بلکہ اس کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکیں گے۔

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے، وفا کرنے والے صحابہؓ 15 سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی زندہ ہیں۔ ان کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لگتا ہے اور حضرت لگا کر ان کے مقام کو بلند کیا جاتا ہے۔ بچوں کو ان کے نام دینا فخر سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ ان صحابہ کی مخالفت کرنے والوں، ان میں سے بعضوں کو شہید کرنے والوں جیسے ابوجہل کا کوئی نام لیوا نہیں اور نہ ہی اس کا نام بچوں کو دینا پسند کیا جاتا ہے۔

سن لو اے دشمن بدنوا! یہ قرض ہے جو آخری روز بطور ادھار تم کو واپس ملے گا۔ یاد رکھو! احمدیت قائم ہے اور نہ صرف قائم رہے گی بلکہ بڑھے گی، پھلے پھولے گی۔ اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی نام اور تعلیم کو قیامت تک دنیا میں پھیلانے کی توفیق پاتی رہے گی۔ اور تم اسلام، محمدؐ، قرآن کا نام اور اس کی محبت احمدیوں کے دلوں سے نہ نکال سکتے ہو اور نہ ہی کم کر سکتے ہو۔

14 اپریل 1989ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”ہمارا تو Birth Mark آنحضرتؐ اور خدا کی محبت ہے اسے کس طرح مٹاؤ گے۔ ہمارے گھروں کو جلا دو، ہمارے جسموں کو جلا دو، ہمارے اموال لوٹ لو، ہماری عورتوں، بچوں اور مردوں کو فنا کر دو مگر خدا کی قسم! محمد مصطفیٰؐ کے خدا کی قسم!! اور کائنات کے خدا کی قسم!!! کہ احمدیت کے دل میں محمد مصطفیٰؐ اور اللہ کی محبت کا جو Birth Mark ہے اس کو تم نہیں مٹا سکتے۔ تمہیں طاقت کیا، استطاعت کیا ہے کہ ان دلوں تک پہنچ سکو؟ تمہاری آگیں جسموں تک جا کر ختم ہو جائیں گی۔ ہاں دلوں تک پہنچنے والی ایک آگ ہے جو خدا جلاتا ہے اور جب وہ فیصلہ کرے گا تمہارے دل پر بھڑکائی جائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس آگ کے اثرات سے بچا نہیں سکتی۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14/اپریل 1989ء)

27 ستمبر 1991ء کو حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:

”اس زمانہ میں عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں میں اتنی سوچ بھی باقی نہیں رہی کہ وہ باتوں کے آپس میں رشتے تو ملا کر دیکھیں کب سے پاکستان مصیبت میں مبتلا ہوا ہے؟ جب سے احمدیوں کو اسلام سے باہر نکالا ہے۔ اسلام کے اندر اسلام کی برکت کی یہی ایک ضمانت تھی، یہی ایک تعویذ تھا جس کے نام پر اسلام کا تقدّس جاری تھا اور اس تعویذ کو تو آپ نے نکال کر باہر پھینک دیا، پیچھے پھر اسلام کی برکتیں کیا، سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور مسلسل اس کے بعد سے سیاست گندی سے گندی ہوتی چلی جارہی ہے، بکتی جارہی ہے۔ Horse Trading کا محاورہ ایسے کھلے کھلے استعمال ہوتا ہے جیسے روزمرہ کی کوئی بات ہے۔ کوئی شرم وحیا کی بات ہی نہیں رہی۔ کرپشن سر سے پاؤں تک، ناخنوں تک پہنچ گئی ہے۔ کوئی زندگی کا ایسا شعبہ نہیں جہاں بددیانتی کے بغیر کام چل سکے اور بے حیائی ایسی کہ دیکھیں سب کہتے ہیں الحمدللہ اسلام آرہا ہے، اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اسلام کے قریب تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ کہاں اسلام کے قریب ہو رہے ہیں؟ کسی نے کبھی نہیں سوچا۔ اگر یہ ساری بدبختیاں اسلام ہیں تو نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ اس اسلام سے تو دوری بہتر ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ یہ اسلام نہیں ہے۔ یہ بدبختیاں تمہاری شامت اعمال ہیں۔ تم نے احمدیوں پر مظالم کر کے اسلام سے جو دوری اختیار کی ہے یہ اس کی سزا ہے ورنہ اسلام سے قرب کی تو خدا سزا نہیں دیا کرتا۔ اسلام سے قرب کی تو جزا ہوتی ہے۔ پس یہ ساری مصیبتیں جو تم پر نازل ہو رہی ہیں تمہیں کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے کہ اسلام سے قرب کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اسلام سے دوری کے نتیجہ میں ہیں۔ اسلام کے بنیادی حسین منصفانہ قوانین کو تم نے بالائے طاق رکھ دیا بلکہ بھاڑ میں جھونک دیا اور کبھی تم نے ضمیر کی ادنیٰ سی کسک بھی اپنے دل میں محسوس نہیں کی کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ مقدّس اسلام کو کیسے استعمال کر رہے ہیں؟ اور مکر فی آیاتنا ہے کہ وہ جاری ہے اور مسلسل چلتا چلا جارہا ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27 ستمبر 1991ء)

(ابوسعید)

ایڈیٹر کے ڈیسک سے الفضل آن لائن کے مستقل فیچرز

قارئین الفضل کی سہولت اور آسانی کے لیے ذیل میں مستقل فیچرز بغرض آگاہی درج کیے جارہے ہیں تا اپنی پسند اور ذوق کے مطابق روزانہ مطالعہ کر لیں۔ اداریہ کے لئے گو جمعرات اور ہفتہ کا دن مخصوص ہے لیکن ان دو دنوں کے علاوہ بھی شامل اشاعت ہوجاتا ہے۔

روزانہ کے فیچرز

- ارشاد باری تعالیٰ
- فرمان رسولؐ
- رشحات (فرمودات) حضرت مسیح موعودؑ
- فرمان خلیفہ وقت

(یہ چاروں فیچرز ایک ہی عنوان کے تحت ایک ہی صفحہ پر ہوتے ہیں)

- دربار خلافت — خلیفہ وقت کا ایک ارشاد
- منظوم کلام
- دعا کا تحفہ — از عائشہ چوہدری۔ جرمنی
- فقہی کارنر — از داؤد احمد عابد۔ لندن
- ایک سبق آموز بات

نوٹ: اطفال کارنر، بزم ناصرات، رپورٹس وخطوط وتبصرے نیز اعلانات کا کوئی دن مقرر نہیں جس دن جہاں جگہ خالی ملے لگائے جاتے ہیں۔

ہفتہ وار فیچرز

سوموار

- خلاصہ خطبہ جمعہ
- خطبہ جمعہ — حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ
- اے چھاؤں چھاؤں شخص تیری عمر ہو دراز، ڈائری عابد خان صاحب سے ایک ورق — از ابو سلطان
- This Week with Hazoor
- سو سال قبل کا الفضل — از م م محمود

منگل

- قرآنی انبیاء — از مرزا خلیل احمد، فرید احمد نوید۔ گھانا
- حیات نور الدین — از مریم رحمان
- حدیقة النساء — از صدف احمد صدیقی۔ کینیڈا

بدھ

- احکام خداوندی — از صبیحہ محمود۔ جرمنی
- دعا، ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے — از حسنی مقبول احمد۔ امریکہ
- تبلیغ میں پریس اور میڈیا سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔ — از سید شمشاد احمد ناصر۔ امریکہ
- تلخیص صحیح بخاری سوالاً جواباً — از مختار احمد
- جامع المناہج والاسلوب — از خواجہ عبد العظیم

جمعرات

- اداریہ
- تعارف صحابہ — از غلام مصطفی بلوچ۔ کینیڈا
- آؤ! اردو سیکھیں — از عاطف وقاص۔ کینیڈا
- سو سال قبل کا الفضل — از م م محمود

جمعہ

- ربط ہے جان محمدؐ سے میری جان کو مدام — از امۃ الباری ناصر۔ امریکہ
- بنیادی مسائل کے جوابات — از ظہیر احمد خان۔ لندن
- یاد رفتگان

ہفتہ

- اداریہ
- جماعت احمدیہ کا نظام خلافت — از ابو ہشام بن ولی
- اپنے جائزے لیں۔ بر مشتمل ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ — از نیاز احمد نائک۔ قادیان
- بیانات مصلح موعودؓ — از محمد انور شہزاد

نیاز احمد نائک۔ استاد جامعہ احمدیہ قادیان

''اپنے جائزے لیں''

از ارشادات خطبات مسرور جلد 6

قسط 5

جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی جماعت کے افراد چندوں کا احسان نہیں جتاتے

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے کبھی اللہ کی راہ میں کچھ خرچ بھی کیا ہے کہ نہیں۔ کبھی یہ احسان نہیں جتاتے کہ ہم نے فلاں وقت اتنا چندہ دیا اور فلاں وقت اتنا چندہ دیا۔ آج ہم جائزہ لیں، نظریں دوڑائیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں ہی ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو ایک کے بعد دوسری قربانی دیتے چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے چلے جاتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں کہتے کہ ہم نے جماعت پر احسان کیا ہے۔ اگر کوئی اِکّادُکّا ایسا ہوتا بھی ہے تو وہ بیمار پرندے کی طرح پھڑ پھڑاتا ہوا ڈار سے الگ ہو جاتا ہے اور کہیں جنگل میں گم ہو جاتا ہے اور پھر درندوں اور بھیڑیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔ یہی ہم نے اب تک دیکھا ہے۔ جب بھی کوئی عافیت کے حصار سے باہر نکلے تو یہی انجام ہوتا ہے۔ بہر حال ضمناً میں یہ ذکر کر رہا تھا۔ جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل کر کے ان لوگوں میں شامل فرما دیا جن کو نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم ہے اور جو بھی قربانی کریں، جو بھی مال لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیں، اللہ تعالیٰ بے شمار اجر دیتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (الحدید:7) پس تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ کی طرف سے تو جو بھی اجر ہے اتنا بڑا ہے کہ انسان کی جو سوچ ہے وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن فرمایا صرف اجر ہی نہیں ایسے مومنوں کے لئے اجر کبیر ہے۔ پس کتنے خوش قسمت ہیں وہ جنہیں اللہ تعالیٰ ایسے اجروں سے نوازے اور کتنے خوش قسمت ہیں احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آئے اور آپ نے یہ روح ہمارے اندر پیدا کی۔ صحیح اسلامی تعلیم کے حسن و خوبی سے ہمیں آگاہ کیا روشناس کروایا۔ اللہ تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنے کے راستے ہمیں دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے حسن کو کھول کھول کر ہم پر ظاہر فرمایا، جس سے احمدی کے دل میں مرضات اللہ کی تلاش کی چنگاری بھڑکی۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 130-131)

پانچ اوقات روحانی حالت کا جائزہ ایک مومن کے سامنے رکھتے ہیں

نماز کے پانچ اوقات روحانی حالت کا جائزہ ایک مومن کے سامنے رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ فرمایا کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کی حالت کا وقت آ گیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مومن کو فجر کی نماز میں سست نہیں ہونا چاہئے۔ یہ یُسر اور آسانی پیدا کرنے کا وقت ہے۔ پس اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے بستروں کو اپنی آرام کی جگہ نہ سمجھو۔ اب اگر آرام دیکھنا ہے، اپنی روحانی حالت سنوارنی ہے، اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنا ہے تو فجر کی نماز کی بھی حفاظت کرو اور جب ہر دن کا سفر اسی سوچ کے ساتھ شروع ہو گا اور اسی سوچ پہ ختم ہو گا تو پھر وہ حالت ہو گی جب ہر صبح یہ گواہی دے گی کہ تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر شام یہ گواہی دے گی کہ ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ اور یہی حالت ہے جو ایک مومن میں انقلاب لانے کا باعث بنتی ہے۔

پس اس بات کو ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ نمازیں روحانی حالت کے سنوارنے کے لئے ایک بنیادی چیز ہیں جس کے بغیر انسان کا مقصد پیدائش پورا نہیں ہوتا۔ پس ہر احمدی کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنی نمازوں کو وقت پر ادا کرے اور اس کے لئے بھرپور کوشش کرے کیونکہ ایک مومن پر ان کا وقت پر ادا کرنا بھی فرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء:104) کہ یقیناً نماز مومنوں پر ایک وقت مقررہ کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 73)

روز قیامت سب سے پہلا جائزہ نماز کا ہو گا

جب مرنے کے بعد سب سے پہلا امتحان جس میں سے ایک انسان کو گزرنا ہے وہ نماز ہے، تو کس قدر اس کی تیاری ہونی چاہئے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مہربان بھی ہے۔ فرمایا کہ بندے کے نفل دیکھو اگر اس کے نفل ہیں تو اس کے فرضوں کے پلڑے میں ڈال دو تا کہ فرضوں کی کمی پوری ہو جائے۔ پس صرف نمازوں کی ادائیگی نہیں بلکہ انسان جو کہ کمزور واقع ہوا ہے اسے یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ کسی وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میرے فرض صحیح حق کے ساتھ ادا نہ ہوئے ہوں تو کوشش کر کے نفل بھی ادا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ ایک مومن کا اعلیٰ معیار ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے والا بنے۔ اپنے پیارے خدا کا جس کے بے شمار احسانات اور انعامات ہیں شکر ادا کرے۔ ہم احمدی مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مان کر ہم ایک جماعت ہیں۔ ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ہم ایک ہاتھ پر اٹھنے بیٹھنے کے نظارے دیکھتے ہیں۔ جب ہماری یہ صورت حال ہے تو جو سب سے زیادہ تنظیم پیدا کرنے والی چیز ہے اس کا ہمیں کس قدر خیال کرنا چاہئے۔ اور پھر صرف اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی ہم اس سے فائدہ اٹھا رہے ہوں گے۔ سب سے پہلے جو جائزہ ہو گا وہ نماز کے بارے میں ہو گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ پس ایک احمدی مسلمان صرف اپنی فرض نمازوں کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ نوافل بھی ادا کرتا ہے تا کہ کمزوریوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے نظر آتے رہیں۔ اس کی رحمت کی نظر پڑتی رہے اور یہی غیب میں ڈرنا ہے۔ نوافل ادا کرتے ہوئے تو ایک انسان بالکل علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ یہ صورتحال ایک احمدی مسلمان کی ہونی چاہئے۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 79)

جائزہ لیں کہ ہمارے کسی عمل کی وجہ سے ہمارا مؤاخذہ نہ ہو

میں احمدیوں کو بھی ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ بعض جلد باز سمجھتے نہیں اور فکر میں رہتے ہیں کہ حالات بدلتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ فرمایا ہر کام کے لئے ایک اجل مسمّٰی ہے اور عذاب کے لئے تو خاص طور پر اس نے اجل مسمّٰی کا ذکر کیا ہے۔ جب وہ آئے گی تو نہ (کوئی) اس سے ایک قدم آگے جائے گا نہ پیچھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی تمام صفات کا اظہار کرتا ہے اور بوقتِ ضرورت کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی وعدہ ہے کہ آپ کی جماعت کا غلبہ ہو گا اور ان شاء اللہ ضرور ہو گا۔ بعض احمدی بعض الہامات پر خوش فہمی میں وقت کا تعین شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کہا ہے کہ وہ وقت نہیں بتاؤں گا۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ کو وقت نہیں بتایا گیا تو ہم آپ کون ہیں جن کو وقت کا پتہ لگ جائے؟ اگر وقت کا پتہ لگ جائے تو بغتۃً کیا ہوا؟ تو ہمارا کام دعائیں کئے جانا ہے اور وقت کا انتظار کرنا ہے۔ قوموں کی زندگی میں چند سال کوئی لمبا عرصہ نہیں ہوا کرتا۔ تمام مخالفتوں کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی جو ترقی ہے وہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ چاہے کسی کی ظاہری دشمنی کی کوششیں ہوں یا چھپی ہوئی دشمنی کی کوششیں ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں اور نہ کبھی بگاڑ سکیں اور جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگے سے آگے ہی بڑھ رہی ہے اور ان شاء اللہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے اعمال کی طرف توجہ دیں۔ اور یہ بڑی اہم بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو پاک صاف رکھے اور ہمارے سے وہ اعمال کروائے جو اس کی رضا کے حصول کے اعمال ہوں۔ اگر ہم نے اپنے عملوں کو، اپنے دلوں کو غلط کاموں سے پاک صاف رکھا تو بعید نہیں کہ جلد وہ غلبہ عطا ہو اور وہ نظارے ہمیں نظر آئیں جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

پس ہمیں اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے اور حلیم بھی ہے ہمارے کسی عمل کی وجہ سے ہمارا مؤاخذہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرۃ:226) یعنی تمہارا مؤاخذہ کرے گا جو تمہارے دل کماتے ہیں اور پھر آگے فرمایا کہ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ اللہ بہت بخشنے والا اور بردبار ہے۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''انسان کے دل کے تخیلات جو بے اختیار اٹھتے رہتے ہیں اس کو گنہگار نہیں کرتے بلکہ عنداللہ مجرم ٹھہر جانے کی تین ہی قسم ہیں۔ (1) اول یہ کہ زبان پر ناپاک کلمے جو دین اور راستی اور انصاف کے برخلاف ہوں جاری ہوں۔ (2) دوسرے یہ کہ جوارح یعنی ظاہری اعضاء سے نافرمانی کی حرکات صادر ہوں۔ (3) تیسرے یہ کہ دل جو نافرمانی پر عزیمت کرے یعنی پختہ ارادہ کرے کہ فلاں فعل بد ضرور کروں گا۔ اسی کی

طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (البقرہ:226) یعنی جن گناہوں کو دل اپنی عزیمت سے حاصل کرے ان گناہوں کا مؤاخذہ ہو گا مگر مجرد خطرات پر مواخذہ نہیں ہو گا کہ وہ انسانی فطرت کے قبضہ میں نہیں ہیں۔ خدائے رحیم ہمیں اُن خیالات پر نہیں پکڑتا جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ ہاں اس وقت پکڑتا ہے کہ جب ہم ان خیالات کی زبان سے، یا ہاتھ سے یا دل کی عزیمت سے پیروی کریں بلکہ بعض وقت ہم ان خیالات سے ثواب حاصل کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے صرف قرآن کریم میں ہاتھ پیر کے گناہوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ کان اور آنکھ اور دل کے گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل:37) یعنی کان اور آنکھ اور دل جو ہیں ان سب سے باز پرس کی جائے گی۔ اب دیکھو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کان اور آنکھ کے گناہ کا ذکر کیا ایسا ہی دل کے گناہ کا بھی ذکر کیا مگر دل کا گناہ خطرات اور خیالات نہیں ہیں کیونکہ وہ تو دل کے بس میں نہیں ہیں بلکہ دل کا گناہ پختہ ارادہ کر لینا ہے۔ صرف ایسے خیالات جو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں گناہ میں داخل نہیں۔ ہاں اس وقت داخل ہو جائیں گے جب ان پر عزیمت کرے اور ان کے ارتکاب کا ارادہ کر لیوے۔ ایسا ہی اللہ جلّ شانہٗ اندرونی گناہوں کے بارے میں ایک اور جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف:34) یعنی خدا نے ظاہری اور اندرونی گناہ دونوں حرام کر دیئے ہیں‘‘

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 427-428) (خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 115)

مَیں نے جائزہ لیا ہے کہ تکبّر اور حِلم اور رِفق کی کمی ہی ہے جو بہت سے جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہے

ہمیں اپنی حالتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے۔ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’صلاح، تقویٰ، نیک بختی اور اخلاقی حالت کو درست کرنا چاہئے۔ مجھے اپنی جماعت کا یہ بڑا غم ہے کہ ابھی تک یہ لوگ آپس میں ذرا سی بات سے چڑ جاتے ہیں۔ عام مجلسوں میں کسی کو احمق کہہ دینا بھی بڑی غلطی ہے۔ اگر اپنے کسی بھائی کی غلطی دیکھو تو اس کے لئے دعا کرو کہ خدا اسے بچا لیوے۔ یہ نہیں کہ منادی کرو۔ جب کسی کا بیٹا بدچلن ہو تو اس کو سردست کوئی ضائع نہیں کرتا بلکہ اندر ایک گوشہ میں سمجھاتا ہے‘‘۔ ایک طرف لے جا کر سمجھاتا ہے ’’کہ یہ برا کام ہے۔ اس سے باز آ جا۔ پس جیسے رفق، حلم اور ملائمت سے اپنی اولاد سے معاملہ کرتے ہو ویسے ہی آپس میں بھائیوں سے کرو۔ جس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں مجھے اس کے ایمان کا خطرہ ہے کیونکہ اس میں تکبر کی ایک جڑ ہے۔ اگر خدا راضی نہ ہو تو گویا یہ برباد ہو گیا۔ پس جب اس کی اپنی اخلاقی حالت کا یہ حال ہے تو اسے دوسروں کو کہنے کا کیا حق ہے‘‘۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 590) یہ نصیحت ہے جو انتہائی اہم ہے۔

مجھے بھی روزانہ چند ایک ایسے خطوط آتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نرمی اور صبر کی جو کمی ہے یہ آپس کے جھگڑوں کی بہت بڑی وجہ ہے۔ پس جس حِلم اور رِفق کی کمی پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فکر کا اظہار فرمایا ہے اس زمانے میں تو شاید چند ایک ایسے ہوں جن سے آپؑ کو فکر پیدا ہوئی لیکن جماعت کی تعداد بڑھنے کے ساتھ بعض برائیاں بھی بعض دفعہ بڑھتی ہیں تو اس طرف ہمیں توجہ دینی چاہئے۔ جماعتی نظام ایک حد تک اصلاح کر سکتا ہے۔ اصل اصلاح تو انسان خود اپنی کرتا ہے اور اگر ہر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس انذار کو پیش نظر رکھے جیسا کہ آپؑ نے اس اقتباس میں فرمایا ہے کہ ’’جس کے اخلاق اچھے نہیں مجھے اس کے ایمان کا خطرہ ہے‘‘۔ تو ایک احمدی کا دل لرز جاتا ہے اور لرز جانا چاہئے۔ مَیں نے جائزہ لیا ہے کہ تکبّر ہے اور حِلم اور رِفق کی کمی ہی ہے جو بہت سے جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہے۔ ایک طرف اگر کوئی بات ہوتی ہے تو دوسرا فریق بجائے نرمی دکھانے کے کہ اس سے جھگڑا ختم ہو جائے اس سے بھی زیادہ بڑھ کر جواب دیتا ہے اور نتیجۃً جھگڑے جو ہیں وہ طول پکڑتے چلے جاتے ہیں۔ اصلاحی کمیٹیوں سے حل نہیں ہوتے۔ پھر قضاء میں جاتے ہیں۔ پھر اگر کوئی فریق فیصلہ نہ مانے تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو جو فیصلہ نہیں ماننا جماعتی نظام سے نکالنا پڑتا ہے۔ یوں ایک اچھا بھلا خاندان روشنیاں دیکھنے کے بعد پھر اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ بعض پھر اس ضد میں اتنا پیچھے چلے جاتے ہیں کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔ حقیقت میں وہ ایمان گنوا بیٹھتے ہیں۔ صرف خطرہ ہی نہیں رہتا۔ والدین کی سزا کی وجہ سے بعض بچے جو نیک فطرت ہوتے ہیں اُن پر بھی اپنے ماں باپ کی حرکتوں کا منفی اثر ہوتا ہے۔ اپنے ماحول میں ان کو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ پھر ایسے والدین جو جھگڑالو ہیں جن کے واقف نو بچے ہیں ان کے واقف نو بچوں کے معاملات کو بھی زیرغور لایا جاتا ہے کہ ان بچوں کا وقف قائم بھی رکھا جائے کہ نہیں۔ کیونکہ اگر ماں باپ کا یہ حال ہے کہ معاشرے کے حقوق ادا نہیں کر رہے اور نظام جماعت کا خیال نہیں تو بچوں کی تربیت کس طرح ہو گی۔ غرض کہ اس خلق حلم اور رفق کی کمی کے باعث ایک خاندان اپنے ایمان کو اور اپنی نسلوں کے ایمان کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور پھر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسے آدمی پھر دوسروں کو کہنے کا بھی حق نہیں رکھتے کہ ہمارے پاس سچائی ہے اور یوں کسی سعید فطرت کو احمدیت سے بھی دُور لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ یعنی ایک غلطی، دوسری غلطی کو جنم دیتی ہے اور پھر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

پس یہ ایک احمدی کے لئے جو مغضوب الغضبی میں نتائج سے لاپرواہ ہو جاتا ہے بڑا فکر کا مقام ہے اور ہونا چاہئے۔ اکثریت ایسے احمدیوں کی ہے جو سزا ملنے کے بعد کچھ پریشان ہوتے ہیں۔ معافی کے خط لکھتے ہیں۔

غیر مشروط طور پر ہر فیصلے پر عمل کرنے کا کہتے ہیں۔ اگر پہلے ہی اس کے جو عواقب ہیں وہ سوچ لیں تو کم از کم ان کے بچے اور خاندان شرمندگی سے بچ جائیں۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 149)

ہر احمدی تعمیر مساجد کے اغراض کا حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں جائزہ لے گا تو فیض پانے والا بن جائے گا

کیونکہ رمضان بھی اس سال جلدی آ رہا ہے اس لئے جلسہ کے بعد جو مساجد کے افتتاح کے پروگرام عموماً ہوا کرتے ہیں، ان کو پہلے کرنا پڑ رہا ہے۔ ظاہر ہے جلسہ کے بعد پھر رکنے کا سوال نہیں تھا۔ تو بہرحال آج مساجد کے موضوع پر ہی میں بات کروں گا۔ مساجد جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور اس لحاظ سے یہ مساجد ایک احمدی مسلمان کی زندگی کا بہت اہم حصہ ہیں اور ہونی چاہئیں۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر مَیں کوشش کرتا ہوں کہ جہاں بھی ہو سکے خود جا کر ان مساجد کا افتتاح کروں۔ گزشتہ پانچ سال میں جرمنی میں بھی اور دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی جماعت کی توجہ مساجد کی تعمیر کی طرف بہت زیادہ ہوئی ہے اور مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی روشنی میں جماعت کو اس طرف توجہ بھی دلاتا رہتا ہوں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جہاں بھی جماعت کو متعارف کرانا ہے، اسلام کی تبلیغ کرنی ہے اور اسلام کی حسن و خوبی سے مزین تعلیم کو لوگوں تک پہنچانا ہے، وہاں مسجد کی تعمیر کر دو۔ جس سے اپنی تربیت کے بھی مواقع ملیں گے اور تبلیغ کے بھی مواقع ملیں گے۔ اللہ کرے کہ جب بھی ہم کسی مسجد کی تعمیر کا سوچیں اور اس کی تعمیر کریں یہ اہم مقاصد ہمیشہ ہمارے سامنے رہیں۔ پس اس حوالے سے اگر ہر احمدی مرد، عورت، جوان، بوڑھا اپنا جائزہ لیتا رہے گا تو مساجد کی تعمیر سے فیض پانے والا ہو گا۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 327)

باغیانہ رویہ نفس کے جائزے لینے سے دور ہو گا

تیسری برائی جو یہاں بیان فرمائی، فرمایا وہ بَغْی یعنی بغاوت ہے، دوسروں کا حق مارنا ہے، معاشرے میں فساد پیدا کرنا ہے۔ اور جب انسان دوسرے کا حق مارنا شروع کر دے اور معاشرے میں فساد پھیلانے کا باعث بن جائے تو وہ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ اس کی نمازوں سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جس کے لئے وہ مسجد میں آنے کی کوشش کرتا ہے یا آتا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف تو اعلان ہو کہ مَیں نے یہ مسجد اس لئے بنائی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے عدل اور انصاف قائم کروں اور دوسری طرف باغیانہ رویہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس رویّہ سے بچنے کے جو طریق بتائے ہیں ان پر چلنا انتہائی ضروری ہے اور اس کے لئے سب سے بنیادی چیز جیسا کہ مَیں نے بتایا یہی ہے کہ اپنے اندر جھانک کر اپنا جائزہ لیتے ہوئے، اپنے نفس کو پاک کرے۔ پھر ہی معاشرے کو تکلیف دینے والی معمولی برائیاں بھی دُور ہوں گی اور تبھی بغاوت کی بدی سے بھی انسان بچے گا۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں قائم رہیں تو پھر یہ نظام جماعت سے بھی دور لے جانے والی ہوتی ہیں اور پھر خلافت کی اطاعت کا بھی انکار کروا دیتی ہیں۔ اور پھر ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے لوگ پھر اللہ تعالیٰ کی خالص ہو کر عبادت کرنے سے بھی محروم ہو جاتے ہیں بلکہ ظاہری عبادت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں پھر ان کی عبادت خالص تو رہتی نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے جو باغی ہو گا وہ انصاف کے تقاضے بھی پورے نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی خالص ہو کر کر ہی نہیں سکتا۔ کسی بھی باغی کو آپ دیکھ لیں وہ اپنی اَنانیت کے جال میں پھنسا ہوتا ہے اور جو انانیت کے جال میں پھنس جائے وہ کبھی عاجزی نہیں دکھا سکتا اور جو عاجزی نہ دکھائے وہ خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بھی نہیں بن سکتا اور نہ ہی انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 334)

جائزہ لیں کہ ایمان میں ترقی ہو

ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (النساء:137) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ۔ پس صرف منہ سے ایمان لانا، یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان

لائے کافی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا اللہ اور رسول پر ایمان بڑھتا چلا جائے۔ ہر روز ترقی کی طرف قدم اٹھتا چلا جائے۔ اور جب یہ صورت ہو گی تب ہی کامل ایمان کی طرف بڑھنے والا ایک مومن کہلا سکتا ہے اور اس کے لئے مسلسل مجاہدے کی ضرورت ہے اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے عبادتوں کا بھی حکم دیا ہے تا کہ یہ مجاہدہ جاری رہے اور تقویٰ میں ترقی ہوتی رہے۔ اور ہر سال روزہ بھی، رمضان کا مہینہ بھی اس مجاہدے اور ایمان میں ترقی کی ایک کڑی ہے۔

پس ان دنوں میں ہر مومن کو اس سے بھرپور فیض اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس بات کا جائزہ لینے کے لئے کہ ایمان میں ترقی ہے اور ایمان میں ترقی کا معیار دیکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ نشانی بتائی کہ اگر خالص ہو کر میرے حضور آؤ گے، روزے بھی میری خاطر ہوں گے، کوئی دنیا کی ملونی اس عبادت میں نہیں ہو گی، خالص میری رضا کا حصول ہو گا تو فرمایا اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے اور یہ پکار اسی وقت سنی جائے گی جب ایمان میں ترقی کی طرف کوشش ہو گی۔ ترقی کی طرف قدم بڑھیں گے گویا دعاؤں کی قبولیت اس وقت ہو گی جب ایمان میں ترقی کی طرف قدم بڑھ رہے ہوں گے اور ایمان میں ترقی اس وقت ہو گی جب خالص ہو کر خدا تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور اس کی عبادت کرنے کی کوشش ہو رہی ہو گی۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 363)

ہر ملک اگر جائزہ لے تو معلوم ہو گا کہ سود امیر غریب کی خلیج کو وسیع کر رہا ہے

اللہ تعالیٰ سود لینے کی مناہی کے بارے میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ (البقرہ:280) اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کرو تو اصل زر تمہارے ہی رہیں گے۔ نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پہ ظلم کیا جائے گا۔ مومنوں کو خاص طور پر تنبیہ کی گئی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نظام یعنی سودی نظام کے اثرات ہر مذہب والے پر پڑ رہے ہیں چاہے وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم ہے۔ پہلے تو یہ بتایا تھا کہ شیطان اس وجہ سے تمہارے حواس کھو دے گا اور اس حواس کھونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سُود میں ڈوبتے چلے گئے۔ پتہ ہی نہیں لگ رہا کہ کس طرح خرچ کرنا ہے۔ وہ سوچیں ہی ختم ہو گئیں جس سے اچھے بھلے کی تمیز کی جا سکتی ہو۔ اور اب فرمایا اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور جب اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہو تو نہ دین باقی رہتا ہے اور نہ دنیا۔ دین تو گیا ہی، اس کے ساتھ دنیا بھی گئی۔

مسلمان ممالک اگر خاص طور پر یہ جائزہ لیں۔ ہر ملک کو یہ جائزہ لینا چاہئے لیکن ان ملکوں کو تو خاص طور پر (جائزہ لینا چاہئے) تو انہیں نظر آئے گا کہ سُود کی وجہ سے امیر غریب کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی ہے، ملکوں کے اندر بھی اور ایک دوسرے ممالک میں بھی، جو غریب مسلمان ممالک ہیں وہ غریب تر ہو رہے ہیں۔ جو امیر ہیں، تیل والے ہیں وہ سمجھ رہے ہیں ہمارے پاس دولت ہے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں پھر بے چینیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بغاوتیں ہوتی ہیں مسلمان ملکوں کے اندر بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی۔ جیسا کہ میں نے پاکستان کی مثال دی تھی۔ وہاں بھی امیر غریب کا فرق بہت وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے اور ملک میں بے چینی کی وہاں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ دولت کے لالچ میں امیر غریب کے حقوق ادا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے پھر مولوی کو اس ملک میں کھیل کا موقع مل رہا ہے۔ اگر غریب کا حق صحیح طرح ادا ہوتا تو وہ خود کش بموں کے حملے جو غریبوں کے بچوں کو استعمال کر کے کروائے جاتے ہیں اس میں ان لوگوں کو آج اس طرح کامیابی نہ ہوتی۔ گو اس کی اور بھی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ پس یہ جو ہنگامی حالتیں ہیں، غریب ملکوں میں بھی اور امیر ملکوں میں بھی جو اور زیادہ ابھر کر سامنے آ رہی ہیں یہ اب اللہ تعالیٰ کے اعلان کا نتیجہ نکل رہا ہے۔ پھر ماضی میں بھی ہم نے دیکھا اور آج کل بھی دیکھتے ہیں کہ سُود کے لئے دیا گیا جو روپیہ ہے یہ جرموں کی وجہ بن رہا ہے۔ یہ روپیہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کو استعمال کر کے دوسروں کے وسائل پر قبضہ کرو تا کہ یہ واپسی قرض بھی محفوظ ہو جائے اور آمد کا ذریعہ بھی مستقل بن جائے۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 455)

جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے ممالک کے لاکھوں غریب غربت کی وجہ سے علاج نہیں کرا پاتے

دنیا میں ہزاروں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو روزانہ مختلف بیماریوں اور وباؤں کا شکار ہوتے ہیں۔ کسی بڑے ہسپتال میں انسان چلا جائے تو لگتا ہے کہ دنیا میں سوائے مریضوں کے کوئی ہے ہی نہیں۔ مغربی اور ترقیاتی ممالک میں تو علاج کی بہت سہولتیں ہیں جن سے عام آدمی فائدہ اٹھاتا ہے لیکن تیسری دنیا کے اور غریب ممالک میں اگر جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ لاکھوں مریض ایسے ہیں جو اپنی غربت یا وسائل نہ ہونے کی وجہ سے علاج کروا ہی نہیں سکتے۔ اور بیماری کی حالت میں انتہائی بے چارگی میں پڑے ہوتے ہیں۔ بڑی کسمپرسی کی حالت ہوتی ہے۔ پھر ان ملکوں کے ہسپتالوں کی حالت بھی ایسی ہے کہ اگر کوئی ہسپتال میں چلا بھی جائے تو پوری سہولتیں میسر نہیں۔ اگر کچھ سہولتیں ہیں تو ڈاکٹر میسر نہیں ہے اور پھر اس وجہ سے علاج نہیں ہو سکتا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں لاکھوں لوگ بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں نے کہا جس کو علاج کی سہولتیں مل جاتی ہیں ان کے لئے شفا اور صحت مقدر ہوتی ہے وہ شفایاب بھی ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سی تعداد ایسی بھی ہے جو اپنی اجل مسمّٰی کو پہنچ چکے ہوتے ہیں اور کوئی علاج بھی ان پر کارگر نہیں ہوتا۔ بہت سے ایسے ہیں جو اپنی غلطیوں کی وجہ سے بعض بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور بظاہر ان کی عمریں بھی چھوٹی ہوتی ہیں اور صحت بھی صحیح اور ٹھیک نظر آ رہی ہوتی ہے لیکن ذرا سی بیماری سے وہ باوجود علاج کے شفا نہیں پاتے یا کوئی ایسی بیماری ان کو لگ جاتی ہے جو ایک دم خطرناک ہو جاتی ہے۔ ہر ممکن طریقہ اپنی زندگی کو بچانے کا کرتے ہیں لیکن ان کی اجل مسمّٰی سے پہلے ہی ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 511)

(باقی آئندہ بروز ہفتہ ان شاء اللہ)

بقیہ: تخمینہ Estimate کی اہمیت ...... از صفحہ 16

لے جانے کے لئے کون سے ذرائع ہیں؟ پھر عمارت بنانے کے لئے کتنے معماروں کی ضرورت ہے؟ کتنے مزدوروں کی ضرورت ہے؟ اور پھر آیا اتنے راج اور مزدور موجود ہیں؟ پھر جتنی لکڑی درکار ہے وہ کہاں سے ملے گی اور کیسے ملے گی اور کتنے دنوں میں ملے گی؟ جب اندازے صحیح ہو جائیں گے تو یقینی بات ہے کہ غلطی کرنے والا پکڑا جائے گا۔ کیونکہ جب سامان کی تعیین ہو جائے گی اور جتنے وقت میں وہ کام ہونا ہے اُس کی بھی تعیین ہو جائے گی تو ہر عقلمند یہی کہے گا کہ اب اگر نتیجہ غلط نکلا ہے تو یقیناً تم نے غلط کام کیا ہے۔ اگر واقع میں روپیہ موجود تھا اور جس سامان کی ضرورت تھی وہ موجود تھا تو بتاؤ وہ کام کیوں نہ ہوا۔ اگر دس سیر پانی موجود ہو جس سے ہم نے مہمانوں کو شربت پلانا ہے اور شکر بھی کافی موجود ہو اور پھر شربت تیار نہ ہو تو تم کیا کہہ سکتے ہو کہ شربت کیوں تیار نہیں ہوا۔ سیدھی بات ہے کہ تم نے سُستی سے کام لیا ہے اور شربت تیار نہیں کیا۔ غرض اندازے انسان کو جب وہ غفلت کرے مجرم بنا دیتے ہیں۔ اگر اندازے صحیح ہوں گے تو انسان کوئی وجہ پیش نہیں کر سکتا کہ وہ کام کیوں نہیں ہوا۔ بجٹ کے معنے تو توفیق کے ہیں اسٹیمیٹ کے نہیں۔ ہم نے دنیا فتح کرنی ہے۔ اور اگر ہم نے دنیا فتح کرنی ہے تو ہمارے کاموں کے اندر علمیت پائی جانی چاہئے۔ ہمارے کاموں کے اندر افادیت پائی جانی چاہئے، ہمارے کاموں کے اندر ایثار پایا جانا چاہئے۔ یعنی جو کام بھی ہم کریں وہ قَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا کے ماتحت کریں۔ اور جو کام بھی ہم کریں وہ ہمارے لئے اور دوسروں کے لئے فائدہ مند ہوں۔ پھر جو کام بھی ہم کریں جان مار کر کریں اور یہ سمجھ کر کریں کہ ان اندازوں سے بڑھنا ناجائز ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے کام میں برکت پڑ جائے گی۔ کیونکہ جب ہم تمام عیب اپنے اوپر لینے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو خدا تعالیٰ بھی ہماری رعایت کرے گا۔ اور اگر کوئی حادثہ بھی پیش آ گیا تو وہ اس سے ہمیں بچا لے گا۔ کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ خواہ مخواہ الزام اپنے اوپر لینے کے لئے تیار ہو جائیں گے انہیں میں اس حادثہ سے بچا لوں۔ اور جب کوئی شخص خدا تعالیٰ پر الزام نہیں ڈالتا، جب وہ خود فخر نہیں کرتا، جب وہ نیکی کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ ہر نیکی کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اسے حوادث سے بچا لیتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر نبی کی جماعت کو بھی حوادث پیش آتے ہیں لیکن ان کی نسبت دوسروں کے حوادث سے کم ہو جاتی ہے۔ عام طور پر خدا تعالیٰ قانونِ قدرت زیادہ جاری کرتا ہے اور استثناء کم استعمال کرتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ استثناء کو بالکل ہی مٹا دیا جاتا ہے اور صرف قانونِ قدرت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے۔ اب اِس قاعدہ کے ساتھ کوئی استثناء نہیں۔ سمندر ہوا بن کر اُڑ جائیں، پہاڑ اُڑ جائیں، دریا خشک ہو جائیں، چاند اور سورج گر جائیں، تمام کا تمام عالَم تہ و بالا ہو جائے لیکن یہ قانون نہیں بدل سکتا کہ میں اور میرے رسول ضرور کامیاب ہوں گے۔ اب تک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا ہو، کسی نبی کو خدا تعالیٰ نے سو سال میں کامیابی دے دی ہو یا کسی کو اس سے کم یا زیادہ عرصہ میں۔ لیکن کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو کامیاب نہ ہوا ہو۔ پس جو شخص تمام الزام اپنے اوپر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کو بَری قرار دیتا ہے اُس کے لئے خدا تعالیٰ بعض ایسے قانون جاری کر دیتا ہے جن میں استثناء نہیں ہوتا۔ اور جس قانون میں استثناء ہوتا ہے وہ بھی اس کے لئے کم از کم کر دیتا ہے۔ یعنی دوسروں کے ساتھ حوادث زیادہ پیش آتے ہیں لیکن اس کے ساتھ حوادث کم پیش آتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر خرابی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور ہر خوبی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 نومبر 1950ء بمقام ربوہ۔ الفضل مورخہ 26 نومبر 1950ء)

ابو ہشام بن ولی

جماعت احمدیہ کا نظام خلافت

قسط 3

خلفاء سلسلہ کے ارشادات

اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء کے ارشادات پر نگاہ ڈالتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں ہماری کیا راہنمائی فرماتے ہیں۔سب سے پہلے حضرت سیدنا ومولانا نور الدینؓ خلیفہ اوّل کے رشد وہدایت سے بھرپور اور حق وصداقت سے معمور کلمات کو لیتے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں اور کس فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:

1۔ ’’میں نے تمہیں بارہا کہا ہے اور قرآن مجید سے دکھایا ہے کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خداتعالیٰ کا کام ہے۔ آدمؑ کو خلیفہ بنایا، کس نے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنِّی جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً‘‘

(بدر 4/ جولائی 1912ء)

2۔ ’’خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں۔تم اس بکھیڑے میں کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ پس جب میں مرجاؤں گا جس کو خدا چاہے گا خدا اس کو آپ کھڑا کردے گا۔‘‘

’’تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کئے ہیں۔تم خلافت کا نام نہ لو۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنادیا ہے اور اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہوسکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے۔ اگر تم زیادہ زور دوگے تو یاد رکھو میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔‘‘

(تقریر احمدیہ بلڈنگ لاہور 16-17 جون بدر 4/جولائی 1912ء)

3۔ پھر حضرت خلیفہ اول مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

’’میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا نے خلیفہ بنایا ہے جس طرح پر آدمؑ اور ابوبکرؓ وعمرؓ کو خداتعالیٰ نے خلیفہ بنایا اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنایا۔‘‘

(بدر 4/ جولائی 1912ء)

4۔اسی پر بس نہیں بلکہ حضرت خلیفہ اولؓ تو ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ ہم نے بنایا جھوٹا قرار دیتے ہیں۔فرماتے ہیں:

’’مجھے اگر خلیفہ بنایا ہے تو خدا نے بنایا ہے اور اپنے مصالح سے بنایا ہے۔ خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کوئی طاقت معزول نہیں کرسکتی۔۔۔۔ خداتعالیٰ نے مجھے معزول کرنا ہوگا تو وہ مجھے موت دے دیگا۔تم اس معاملہ کو خدا کے حوالے کردو۔تم معزولی کی طاقت نہیں رکھتے۔۔۔۔۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم نے خلیفہ بنایا۔‘‘

(الحکم 21/ جنوری 1914ء)

5۔ پھر فرمایا:

’’خلیفہ اللہ ہی بناتا ہے۔ میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا۔‘‘

(پیغام صلح 24/ فروری 1914ء)

6۔ اسی طرح آپؓ فرماتے ہیں:

’’۔۔۔خلیفہ بنانے کے کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کی خلافت اپنی طرف منسوب کی ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے خلفاء کے تقرر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ پس کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ لوگ خلیفہ بناتے ہیں۔ ان کو شرم آنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب نہیں کرنی چاہئے۔ انسان بیچارہ ضعیف البنیان کیا طاقت اور کیا سکت رکھتا ہے کہ وہ دوسروں کو بڑا بنا سکے۔ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ کسی کو بڑا بنانا خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ انسان کا علم کمزور، اس کی طاقت اور قدرت محدود اور ضعیف۔ طاقتور مقتدر ہستی کا کام ہے کہ کسی کو طاقت اقتدار عطا کرے اور عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقرر خلافت کسی انسان کے سپرد نہیں کیا۔‘‘

(ماخوذ از الفضل قادیان دارالامان 10 دسمبر 1913ء)

تمام مذکورہ مسلمات کی رو سے یہ بات بالکل واضح ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ خلافت کے عظیم منصب پر جس کو فائز کیا جاتا ہے وہ خداتعالیٰ کی خاص تقدیر کے ماتحت قدرت ثانیہ کا مظہر ہوتا ہے اور خداتعالیٰ خود اس منصب پر فائز فرماتا ہے۔قرآن کریم، اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ خلفاء کا متفقہ مذہب یہی ہے کہ خلیفہ خداتعالیٰ بناتا ہے اور باوجود ظاہر انتخاب کے ہر سچے خلیفہ کے انتخاب میں دراصل خداتعالیٰ کا مخفی ہاتھ کام کرتا ہے اور صرف وہی شخص خلیفہ بنتا ہے اور بن سکتا ہے جسے خداتعالیٰ کی ازلی تقدیر اس کام کے لئے پسند کرتی ہے اور اس کے سوا کسی کی مجال نہیں کہ مسند خلافت پر قدم رکھنے کی جرأت کرسکے۔ اس حقیقت مسلمہ اور واضح کی طرف جماعت کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

’’خوب یاد رکھو کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور جھوٹا ہے وہ انسان جو کہتا ہے کہ خلیفہ انسانوں کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ (اپنی) خلافت کے زمانہ میں متواتر اس مسئلہ پر زور دیتے رہے کہ خلیفہ خدا مقرر کرتا ہے نہ انسان اور درحقیقت قرآن شریف کو غور سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ بھی خلافت کی نسبت انسانوں کی طرف نہیں کی گئی بلکہ ہر قسم کے خلفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ انہیں ہم بناتے ہیں۔‘‘

(کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے، انوار العلوم)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اس تعلق میں فرماتے ہیں:

’’ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے۔ اگر بندوں پر اس کو چھوڑا جاتا تو جو بھی بندوں کی نگاہ میں افضل ہوتا اسے ہی وہ اپنا خلیفہ بنالیتے۔لیکن خلیفہ خود اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور اس کے انتخاب میں کوئی نقص نہیں۔ وہ اپنے ایک بندے کو چنتا ہے جسے وہ بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو چن کر اس پر اپنی عظمت اور جلال کا ایک جلوہ کرتا ہے اور جو کچھ وہ تھا اور جو کچھ اس کا تھا اس میں سے وہ کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیتا اور خداتعالیٰ کی عظمت اور جلال کے سامنے کلی طور پر فنا اور بے نفسی کا لبادہ پہن لیتا ہے۔‘‘

(الفضل 18مارچ 1927ء)

خلیفہ کے انتخاب میں حکمت

قرآن کریم، احادیث نبویہ، اقوال بزرگان سلف وخلف نیز خداتعالیٰ کی فعلی شہادت سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر وباہر وعیاں ہے کہ ’’خلیفہ خدا بناتا ہے‘‘۔ اور خلافت اللہ تعالیٰ کا وھبی عطیہ ہے۔ خلیفہ کا انتخاب تو محض اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا ایک عملی اظہار ہے۔ اور اس صورتحال کو قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ

(شوریٰ :50)

یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔

اب اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ بیٹے، بیٹیاں پیدا کرنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مگر بیٹوں یا بیٹیوں کے حصول کے لئے شادی کرنا اور ازدواجی تعلقات کا قائم ہونا شرط ہے۔

قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے واسطہ سے کام کرواتا ہے اور پھر سے اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس شخص میں خدائی قوتیں بھی داخل کردی جاتی ہیں تا دنیا کو یہ بات سمجھ آجائے کہ اگرچہ ظاہر میں تو کچھ اور نظر آرہا ہے لیکن بباطن اس میں خدائی تصرف اور خدائی قوتیں کام کررہی ہیں۔حضرت رسول مقبول ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر مٹھی میں کنکر لئے اور ان کنکروں کو دشمن کی طرف آپ ﷺ نے پھینکا تو اگرچہ بظاہر وہ ایک انسان کی مٹھی تھی اور کنکر بھی ایک مٹھی میں جتنے آسکتے ہیں اتنے ہی تھے مگر جب حضرت رسول اکرم ﷺ نے اس مٹھی سے کنکر پھینکے تو خداتعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی

(الانفال: 18)

کہ کنکروں کی یہ مٹھی تو نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے۔نتیجہ بتاتا ہے کہ وہ انسان کی مٹھی کے پھینکے ہوئے کنکر نہ تھے۔جن سے عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا اور اس کے نتیجہ میں وہ مسلمان جو دشمن کے مقابلہ میں بظاہر کمزور تھے اپنے سے تین گنا مسلح اور جرار لشکر پر غالب آگئے۔ پس بالکل اسی طرح خلیفہ کا انتخاب گو بظاہر مومنوں کی جماعت کرتی ہے لیکن درپردہ اس انتخاب میں خداتعالیٰ کی قدرت کام کررہی ہوتی ہے۔ خداتعالیٰ بطور نشان ان مومنوں کو اپنا آلہ بنالیتا ہے اور ان سے انتخاب کرواکر اپنی تقدیر پوری کرواتا ہے اور اس کے متعلق یہ قرار دیتا ہے کہ اس شخص کو مقام خلافت پر میں نے فائز کیا ہے اور اسے خلافت کا جامہ میں نے پہنایا ہے۔ اس کے ساتھ نصرت خداوندی اور تائیدات الٰہی سے ظاہر ہونے والے نتائج یہ ثابت کررہے ہوتے ہیں کہ یہ انسان کا کام نہیں۔ انسان کو مجال نہیں

کہ وہ اتنے بڑے بوجھ کو اٹھا سکے اور اتنے بڑے کام کو انجام دے سکے جب تک خدائی طاقتیں اور اعلیٰ قوتیں اس کے ساتھ نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر خلیفہ راشد غیر معمولی حالات و مشکلات کے باوجود کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ کیونکہ دراصل وہ انسانوں کا بنایا ہوا خلیفہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا خلیفہ ہوتا ہے۔

اس صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ صفحہ 304 میں تحریر فرماتے ہیں:

’’خلفاء کے تقرر اور ان کے مقام کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خلافت کا منصب کسی صورت میں بھی ورثہ میں نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ ایک مقدس امانت ہے جو مومنوں کے انتخاب کے ذریعہ جماعت کے قابل ترین شخص کے سپرد کی جاتی ہے اور چونکہ نبی کی جانشینی کا مقام ایک نہایت نازک اور اہم روحانی مقام ہے اس لئے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ گو بظاہر خلیفہ کا انتخاب لوگوں کی رائے سے ہوتا ہے مگر اس معاملہ میں خدا تعالیٰ خود آسمان سے نگرانی فرماتا ہے اور اپنے تصرف خاص سے لوگوں کی رائے کو ایسے رستہ پر ڈال دیتا ہے جو اس کے منشاء کے مطابق ہو۔ اس طرح گو بظاہر خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ عمل میں آتا ہے مگر دراصل اس انتخاب میں خدا کی مخفی تقدیر کام کرتی ہے اور اسی لئے خدا نے خلفاء کے تقرر کو خود اپنی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خلیفہ ہم خود بناتے ہیں۔ یہ ایک نہایت لطیف روحانی انتظام ہے جسے شاید دنیا کے لوگوں کے لئے سمجھنا مشکل ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ خلیفہ کا تقرر ایک طرف تو مومنوں کے انتخاب سے اور دوسری طرف خدا کی مرضی کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے اور خدائی تقدیر کی مخفی تاریں لوگوں کے دلوں کو پکڑ پکڑ کر منظور ایزدی کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ پھر جب ایک شخص خدائی تقدیر کے ماتحت خلیفہ منتخب ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق اسلام کا حکم یہ ہے کہ تمام مومن اس کی پوری پوری اطاعت کریں۔ اور خود اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ تمام اہم ضروری امور میں مومنوں کے مشورہ سے کام کرے اور گو وہ مشورہ پر عمل کرنے کا پابند نہیں بلکہ اگر مناسب خیال کرے تو مشورہ کو رد کر کے اپنی رائے سے جس طرح چاہے فیصلہ کرسکتا ہے۔ مگر بہرحال اسے مشورہ لینے اور لوگوں کی رائے کا علم حاصل کرنے کا ضروری حکم ہے۔‘‘

(سلسلہ احمدیہ صفحہ 307-308)

مولانا عبدالکلام آزاد اپنی کتاب ’’مسئلہ خلافت ‘‘میں خلیفہ کے انتخاب کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’تمام نصوص و دلائل کتاب وسنت اور اجماع امت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت وخلافت کے بارے میں دوصورتیں اختیار کی ہیں اور قدرتی طور پر یہی دو صورتیں اس مسئلہ کی ہوسکتی ہیں۔

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ہے اور طریق انتخاب جمہوری تھا نہ شخصی ونسلی۔ یعنی قوم اور قوم کی صائب الرائے جماعت (اہل حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہئے۔ بحکم ’’وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ‘‘ بنیاد تمام امور کی شرعاً شوریٰ یعنی باہمی مشورہ ہے نہ کہ نسل وخاندان۔ خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا۔ خلیفہ اوّل کا انتخاب عام جماعت میں ہوا ہے۔ خلیفہ دوم کو خلیفہ اوّل نے نامزد کیا اور اہل حل و عقد نے منظور کرلیا۔ خلیفہ سوم کا انتخاب جماعت شوریٰ نے کیا۔ خلیفہ چہارم کے ہاتھ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی۔ نسل، خاندان، ولی عہدی کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اگر دخل ہوتا تو ظاہر ہے کہ خلافت خلیفہ اوّل کے خاندان میں آجاتی، یا دوم وسوم کے خاندان میں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ خلیفہ دوم نے تو قوم کو بھی اس کا موقع نہ دیا کہ ان کے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے۔ وصیت کر دی کہ وہ کسی طرح منتخب نہیں ہوسکتا۔‘‘

(مسئلہ خلافت صفحہ 57 از مولانا ابوالکلام آزاد مطبع اصغر پریس لاہور 2004ء)

حضرت شاہ ولی اللہ اس تعلق میں لکھتے ہیں کہ :

’’آیت لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ کے معنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ خلفاء کو مقرر فرماتا ہے جب اصلاح عالم کے لئے کسی خلیفہ کی ضرورت محسوس کرتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں الہاماً ڈال دیتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کریں جسے اللہ تعالیٰ خود خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔‘‘

(ازالۃ الخفاء عن الخلفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

نظام خلافت کے متعلق بعض سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1:۔ اس آیت میں امت مسلمہ سے وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد سے؟

جواب:۔ بے شک وعدہ قوم سے ہے مگر قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں کہ افراد کے ذریعہ سے وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ بعض وعدے قوم سے ہوتے ہیں لیکن افراد کے ذریعہ سے پورے کئے جاتے ہیں اور کہا یہی جاتا ہے کہ قوم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ اس کی مثالیں دنیا کی ہر زبان میں ملتی ہیں۔ مثلاً ہماری زبان میں کہا جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں۔ اب کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہر انگریز بادشاہ ہے۔ ہر انگریز نہ تو بادشاہ ہے اور نہ بادشاہ بن سکتا ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم حاکم ہے حالانکہ ساری قوم کہاں حاکم ہوتی ہے چند افراد کے سپرد حکومت کا نظم ونسق ہوتا ہے اور باقی سب اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے فلاں قوم بڑی دولت مند ہے مگر اس کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اس قوم کا ہر فرد دولتمند ہے۔

غرض قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ افراد کے ذریعہ وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ کئی وعدے قوم سے ہی ہوتے ہیں لیکن پورے وہ افراد کے ذریعے ہی کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا یعنی موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں اپنے انبیاء مبعوث کئے۔ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا اور اس نے تم کو بادشاہ بنایا۔ اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ سب بنی اسرائیل بادشاہ بن گئے تھے۔ یقیناً بنی اسرائیل میں بڑے بڑے غریب بھی ہوں گے مگر موسیٰؑ ان سے یہی فرماتے تھے کہ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا اس نے تم سب کو بادشاہ بنایا۔ مراد یہی ہے کہ جب کسی قوم میں سے بادشاہ ہو تو چونکہ وہ قوم ان انعامات اور فوائد سے حصہ پاتی ہے جو بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے بالفاظ دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہوگئی۔

سوال نمبر 2:۔ دوسرا سوال اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ پہلوں میں خلافت نبوت کے ذریعے ہوئی یا ملوک کے ذریعہ سے۔ مگر خلفاء اربعہ نہ نبی مانے جاتے ہیں نہ ملوک پھر یہ وعدہ کس طرح پورا ہوا اور خلفاء اربعہ اس آیت کے کس طرح مصداق ہوئے؟

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں پہلوں کو خلافت یا تو نبوت کی شکل میں ملی یا ملوکیت کی صورت میں۔ مگر مشابہت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر رنگ میں مشابہت ہو بلکہ صرف اصولی رنگ میں مشابہت دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً کسی لمبے آدمی کا ہم ذکر کریں اور پھر کسی دوسرے کے متعلق کہیں کہ وہ بھی ویسا ہی لمبا ہے تو اب کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ تم نے دونوں کو لمبا قرار دیا ہے تو یہ مشابہت کس طرح درست ہوئی جبکہ ان میں سے ایک چور ہے اور دوسرا نمازی یا ایک عالم ہے اور دوسرا جاہل بلکہ صرف لمبائی میں مشابہت دیکھی جائے گی۔ ہر بات اور ہر حالت میں مشابہت نہیں دیکھی جائے گی۔ اس کی مثال قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا کہ ہم نے تمہاری طرف اپنا ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے۔ اور وہ ایسا ہی رسول ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں مشابہت بیان کی ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے مگر رسول کریم ﷺ کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح موسیٰ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے مگر رسول کریم ﷺ ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا زمانہ صرف چند سو سال تک ممتد تھا اور آخر وہ ختم ہوگیا مگر رسول کریم ﷺ کی رسالت کا زمانہ قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے حالات میں اہم فرق ہیں مگر باوجود ان اختلافات کے مسلمان یہی کہتے ہیں بلکہ قرآن کہتا ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل ہیں حالانکہ نہ تو رسول کریم ﷺ فرعون کی طرح کے کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث ہوئے، نہ آپ کسی ایک قوم کی طرف تھے بلکہ سب دنیا کی طرف تھے اور نہ آپ کی رسالت کسی زمانہ میں موسیٰؑ کی رسالت کی طرح ختم ہونے والی تھی۔ پس باوجود ان اہم اختلافات کے اگر آپ کی مشابہت میں فرق نہیں آتا تو اگر پہلوں کی خلافت سے جزوی امور میں خلفائے اسلام مختلف ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ سے پہلے کے انبیاء چونکہ کامل شریعت لے کر نہیں آئے تھے اس لئے ان کے بعد یا نبی مبعوث ہوئے یا ملوک پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب اصلاح خلق کے لئے الہام کی ضرورت ہوتی تو نبی کھڑا کر دیا جاتا مگر اسے نبوت کا مقام براہ راست حاصل ہوتا اور جب نظام میں خلل واقع ہوتا تو کسی کو بادشاہ بنا دیا جاتا اور چونکہ لوگوں کو ابھی اس قدر ذہنی ارتقاء حاصل نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے آپ جدوجہد کر سکتے اس لئے نہ صرف انبیاء کو اللہ تعالیٰ براہ راست مقام نبوت عطا فرماتا بلکہ ملوک بھی خدا کی طرف سے ہی مقرر کئے جاتے تھے۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَـكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا طالوت کو تمہارے لئے خدا نے بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ گویا ابھی لوگ اس قابل نہیں ہوئے تھے کہ خود اپنے بادشاہ کا بھی انتخاب کرسکیں اور نہ شریعت اتنی کامل تھی کہ اس کے فیضان کی وجہ سے کسی کو مقام نبوت حاصل ہوسکتا مگر رسول کریم ﷺ چونکہ ایک کامل تعلیم لے کر آئے تھے اس لئے دونوں قسم کے خلفاء میں فرق ہوگیا۔ پہلے انبیاء کے خلیفے تو نبی ہی ہوتے تھے گو انہیں نبوت مستقل یا براہ راست حاصل ہوتی تھی اور اگر انتظامی امور چلانے

کے لئے ملوک مقرر ہوتے تو وہ انتخابی نہ ہوتے بلکہ یا تو ورثہ کے طور پر ملوکیت کو حاصل کرتے یا نبی انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت بطور بادشاہ مقرر کر دیتے۔ مگر رسول کریم ﷺ کی قوم کیونکہ اعلیٰ درجہ کی تھی اس لئے آپ کے بعد خلفاء انبیاء کی ضرورت نہ رہی اس کے ساتھ ہی ملوکیت کی ادنیٰ صورت کو اڑا دیا گیا اور اس کی ایک کامل صورت آپ کو دی گئی اور یہ ظاہر ہے کہ اسلامی خلافت کے ذریعہ سے جس طرح قوم کے ساتھ وعدہ پورا ہوتا ہے کہ اس میں انتخاب کا عنصر رکھا گیا ہے اور قومی حقوق کو محفوظ کیا گیا ہے وہ پہلے بادشاہوں کی صورت میں نہ تھا اور زیادہ کامل صورت کا پیدا ہو جانا وعدہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ جیسے اگر کسی کے ساتھ پانچ روپے کا وعدہ کیا جائے اور اسے دس روپے دے دیئے جائیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ پس اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ جس طرح رسول کریم ﷺ پہلوں سے افضل تھے آپؐ کی خلافت بھی پہلے انبیاء کی خلافت سے افضل تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْلَ یعنی میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ امت محمدیہ کا جو بھی عالم ہے وہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہے کیونکہ علماء کہلانے والے ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دینی اور اخلاقی حالت دیکھ کر رونا آتا ہے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ان علماء سے مراد دراصل خلفاء ہیں جو علماء روحانی ہوتے ہیں اور اس ارشاد نبوی سے اس طرح ارشاد کیا گیا ہے کہ پہلے نبیوں کے بعد جو کام بعض دوسرے انبیاء سے لیا گیا تھا وہی کام میری امت میں اللہ تعالیٰ بعض علماء ربانی یعنی خلفائے راشدین سے لے گا۔ چنانچہ موسیٰ کے بعد جو کام یوشع سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ سے لے گا اور جو کام داؤدؑ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ عمرؓ سے لے گا اور جو کام بعض اور انبیاء مثلاً سلیمانؑ وغیرہ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ عثمانؓ اور علیؓ سے لے گا۔ غرض رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ مقام بخشا ہے کہ میری امت کے خلفاء وہی کام کریں گے جو انبیاء سابقین نے کیا۔ پس اس جگہ علماء سے مراد رشوتیں کھانے والے علماء نہیں بلکہ ابوبکرؓ عالم، عمرؓ عالم، عثمانؓ عالم اور علیؓ عالم مراد ہیں۔ چنانچہ جب ادنیٰ ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پیدا کر دیا اور پھر زیادہ روشن صورت میں جب زمانہ کو ایک نبی کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے پورا کر دیا۔ گو فرق یہ ہے کہ پہلے انبیاء براہ راست مقام نبوت حاصل کرتے تھے مگر آپؑ کو نبوت رسول کریم ﷺ کی غلامی کی وجہ سے ملی۔

(خلافت راشدہ، انوارالعلوم جلد 15صفحہ 560-564)

سوال نمبر3:۔ تیسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ آیا ہے۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ پہلے خلفاء اس آیت کے ماتحت تھے کیونکہ ان کے پاس نظام ملکی تھا لیکن اس آیت سے وہ خلافت جو احمدیہ جماعت میں ہے کیونکر ثابت ہوگئی کیونکہ ان کے پاس تو کوئی نظام ملکی نہیں؟

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اٰمَنُوْا اور وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی مصداق جماعت کو خلیفہ بنائے گا اور خلیفہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کا نائب ہوتا ہے۔ پس وعدہ کی ادنیٰ حد یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد اس کے نائب ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ جس رنگ کا نبی ہو اگر اسی رنگ میں اس کا نائب بھی ہو جائے تو وعدہ کی ادنیٰ حد پوری ہو جاتی ہے اور چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے سپرد ملکی نظام نہ تھا اس لئے آپؑ کی امر نبوت میں جو شخص نیابت کرے وہ اس وعدہ کو پورا کر دیتا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کو ملکی نظام عطا ہوتا تب تو اعتراض ہوسکتا تھا کہ آپ کے بعد خلفاء نے نیابت کس طرح کی مگر نظام ملکی عطا نہ ہونے کی صورت میں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ جس نبی کا کوئی خلیفہ ہو اسے وہی چیز ملے گی جو نبی کے پاس ہو گی اور جو اس کے پاس نہیں ہو گی وہ اس کے خلیفہ کس طرح ملے گی۔

غرض جس رنگ کا کوئی شخص ہو اس رنگ کا اس کا جانشین ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سپرد ملکی نظام نہیں تھا اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپؑ کے خلفاء کے پاس کوئی نظام ملکی کیوں نہیں؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خلافت نظامی کے بارہ میں یہ نہیں آیا کہ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ بلکہ اس آیت میں جس قدر وعدے ہیں سب کے ساتھ ہی یہ الفاظ لگتے ہیں۔ مگر غیر مبائعین میں سے بھی جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں جیسے شیخ مصری وغیرہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی نبوت کلی طور پر پہلے نبیوں کی نبوت کی قسم کی نبوت نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود لکھا ہے۔ یہ نبوت پہلی نبوتوں سے ایک بڑا اختلاف رکھتی ہے اور وہ یہ کہ پہلے نبی مستقل نبی تھے اور آپ غیر مستقل نبی ہیں۔ پس جس طرح آپ کی نبوت کے پہلے نبیوں سے مختلف ہونے کے باوجود اس وعدے کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا کہ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح خلافت کے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی اس وعدے کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور اگر بعض باتوں میں پہلی خلافتوں سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے یہ خلافت اس آیت سے باہر نکل جاتی ہے تو حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت بھی اس آیت کے ماتحت نہیں آتی کیونکہ اگر ہماری خلافت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت سے کچھ اختلاف رکھتی ہے تو حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت بھی پہلے نبیوں سے کچھ اختلاف رکھتی ہے۔ پس اگر ہماری خلافت اس آیت کے ماتحت نہیں آتی تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی اس آیت کے ماتحت نہیں آتی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس نبوت کے باوجود مختلف ہونے کے اسی آیت کے ماتحت قرار دیتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پہلے نبیوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس آیت کے وعدہ میں شامل ہے اسی طرح خلافت باوجود پہلی خلافتوں سے ایک اختلاف رکھنے کے اس آیت کے وعدے میں شامل ہے۔

(خلافت راشدہ، انوارالعلوم جلد15صفحہ 564-566)

سوال نمبر4:۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ اگر اس آیت سے افراد مراد لئے جائیں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وعدہ دوقسم کے وجودوں کے متعلق ہے۔ ایک نبیوں کے متعلق اور ایک بادشاہوں کے متعلق۔ چونکہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قسم کے نبی آیا کرتے تھے ان کو رسول کریم ﷺ نے ختم کر دیا اور بادشاہت کو آنحضرت ﷺ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ صاف فرمادیا کہ میرے بعد خلفاء بادشاہ ہوں گے تو پھر کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ اس آیت میں وعدہ قوم سے ہی ہے افراد سے نہیں۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی نبوت بھی ختم ہوگئی ہے اور پہلی قسم کی ملوکیت بھی ختم ہوگئی لیکن کسی خاص قسم کے ختم ہوجانے سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس کا قائم مقام جو اس سے اعلیٰ ہو وہ نہیں آسکتا۔ رسول کریم ﷺ چونکہ سب انبیاء سے نرالے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپؐ کے بعد کا نظام بھی سب سے نرالہ ہو۔ اس کا نرالہ ہونا اسے مشابہت سے نکال نہیں دیتا بلکہ اس کے حسن اور خوبصورتی اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ آپؐ چونکہ کامل نبی تھے اور دنیا میں کامل شریعت ہوئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپؐ کے بعد ایسے نبی ہوتے جو آپؐ سے فیضان حاصل کر کے مقام نبوت حاصل کرتے اسی طرح آپؐ کا نظام چونکہ تمام نظاموں سے زیادہ کامل تھا اس لئے ضروری تھا کہ آپؐ کے بعد ایسے خلفاء ہوتے جو پبلک طور پر منتخب ہوتے۔ غرض رسول کریم ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی اور ملوکیت بھی ایک نئے رنگ میں ڈھال دی اور پہلی قسم کی نبوت اور پہلی قسم کی ملوکیت کو ختم کر دیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ خلافت نبوت پہلے نبی کی تائید کے لئے آتی ہے اور خلافت ملوکیت مومنین کے حقوق کی حفاظت اور ان کی قوتوں کے نشوونما کے لئے آتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے انبیاء کو جو خلفاء انبیاء ملے تو ان کی خلافت ناقص تھی کیونکہ گو وہ ان کے کام کو چلاتے تھے مگر نبوت براہ راست پاتے تھے۔ پس ان کی خلافت کامل نہ ہوتی تھی اور اگر ان کی اقوام کو خلفاء ملوکی ملے تو ان کی خلافت بھی ناقص خلافت ہوتی تھی کیونکہ وہ اختیارات براہ راست ورثہ سے پاتے تھے اور اس کے نتیجہ میں ان کی قسم کے قویٰ پورے طور پر نشوونما نہ پاتے تھے کیونکہ ان کے مقرر کرنے میں امت کا ہاتھ نہ ہوتا تھا اسی طرح جس طرح نبیوں کا اپنے تابع نبیوں کی نبوت میں دخل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جہاں بھی باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا ورثہ کے طور پر تخت حکومت سنبھالتے چلے جاتے ہیں وہاں اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ پبلک کے علمی معیار کو بلند کیا جائے اور اس کے ذہنی قویٰ کو ایسا نشوونما دیا جائے کہ صحیح رنگ میں حکام کا انتخاب کر سکے لیکن جہاں حکام کا انتخاب پبلک کے ہاتھ میں ہو وہاں حکومت اس بات سے مجبور ہوتی ہے کہ فرد کو عالم بنائے، ہر فرد کو سیاست دان بنائے اور ہر فرد کو ملکی حالات سے باخبر رکھے تاکہ انتخاب کے وقت ان سے کوئی بیوقوفی سرزد نہ ہو جائے۔ پس اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے لوگوں کے علمی نشوونما کو مدنظر رکھتے ہوئے حکام کے انتخاب کا حکم دیا۔ پس رسول کریم ﷺ سے پہلے انبیاء کی خلافت خواہ وہ خلافت نبوت ہو یا خلافت ملوکیت ناقص تھی لیکن رسول کریم ﷺ چونکہ صحیح معنوں میں کامل نبی تھے اس لئے آپؐ کے بعد جو نبی آیا یا آئیں گے وہ آپؐ کے صرف تابع ہی نہ ہوں گے بلکہ آپؐ کے فیض سے نبوت پانے والے ہوں گے۔ اسی طرح چونکہ قوم صحیح معنوں میں کامل امت تھی جیسا کہ فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اس لئے ضروری تھا کہ ان کے کام کو چلانے والے بھی اسی رنگ میں آئیں جس طرح اس امت میں نبی آنے تھے یعنی ان کے انتخاب میں قوم کو دخل نہ ہوتا تھا بلکہ انتخابی خلیفہ ہوں تاکہ امت محمدیہ کی پوری ترجمانی کرنے والے ہوں اور امت کی قوت کا صحیح نشوونما ہو۔ چنانچہ اس حکم کی وجہ سے ہر خلیفہ اس بات پر مجبور ہے کہ وہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ علم اور سمجھ کا مادہ پیدا کرے تاکہ وہ اگلے انتخاب میں کوئی غلطی نہ کر جائیں۔ پس یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہیں اور آپؐ کی امت خَیْرُ الْاُمَم ہے۔ جس طرح سید الانبیاء کے

تابع نبی آپؐ کے فیضان سے نبوت پاتے ہیں اسی طرح خَیْرُالْاُمَم کے خلفاء قوم کی آواز سے خلیفہ مقرر ہوتے ہیں۔ پس یہ نظام اسلام کی برتری اور نئ اسلام اور امت اسلامیہ کے علو مرتبت کی وجہ سے ہے اور اس سے خلافت فردی کو مٹایا نہیں گیا بلکہ خلافت شخصی کو زیادہ بہتر اور مکمل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

(خلافت راشدہ، انوارالعلوم جلد 15 صفحہ 568-579)

سوال نمبر 5:۔ منکرین خلافت ایک سوال یہ اٹھاتے ہیں کہ کیا اگر خلافت نہ رہی تو پھر اس وقت کے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ پہلے بھی تو تیس سال کے بعد خلافت راشدہ ختم ہوگئی تھی۔ اس سے امت مسلمہ پر کون سی قیامت ٹوٹ پڑی تھی؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:

دیکھو قرآن مجید میں وضو کے لئے ہاتھ دھونا ضروری ہے لیکن اگر کسی کا ہاتھ کٹ جائے تو اس کا وضو بغیر ہاتھ دھوئے کے ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص کسی ایسے ہاتھ کٹے آدمی کو پیش کر کے کہے کہ دیکھو اس کا وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جب یہ کہیں کہ ہاں ہو جاتا ہے تو وہ کہے کہ بس اب میں بھی ہاتھ نہ دھوؤں گا تو کیا وہ راستی پر ہوگا؟ ہم کہیں گے اس کا ہاتھ کٹ گیا مگر تیرا تو موجود ہے۔ پس یہی جواب ان معترضین کا ہے ہم انہیں کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں جابر بادشاہوں نے تلوار کے زور سے خلافت راشدہ کو قائم نہ ہونے دیا کیونکہ ہر کام ایک مدت کے بعد مٹ جاتا ہے پس جب تلوار کے زور سے مٹا دی گئی تو اب کسی کو گناہ نہیں کہ وہ بیعت خلیفہ کیوں نہیں کرتا۔ مگر اس وقت وہ کون سی تلوار ہے جو ہم کو قیام خلافت سے روکتی ہے۔ اب بھی اگر کوئی حکومت زبردستی خلافت کے سلسلہ کو روک دے تو یہ الٰہی فعل ہوگا اور لوگوں کو رکنا پڑے گا۔ لیکن جب تک خلافت میں کوئی روک نہیں آتی اس وقت تک کون خلافت کو روک سکتا ہے اور اس وقت تک کہ خلیفہ ہوسکتا ہے جب کوئی خلافت کا انکار کرے گا وہ اسی حکم کے ماتحت آئے گا جو ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنھم کے منکرین کا ہے۔ ہاں جب خلافت ہی نہیں تو اس کے ذمہ دار تم نہیں۔ سارق کی سزا قرآن مجید میں ہاتھ کاٹنا ہے۔ اب اگر اسلامی سلطنت نہیں اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تو یہ کوئی قصور نہیں۔ غیر اسلامی حکومت اس حکم کی پابند نہیں۔‘‘

(منصب خلافت، انوارالعلوم جلد 2 صفحہ 61-62)

سوال نمبر 6:۔ غیر مبائعین کی طرف سے نظام خلافت کے تعلق میں ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ اولیٰ کے تمام خلفاء کو بادشاہت بھی حاصل تھی۔ اگر خلافت احمدیہ خلافت راشدہ اولیٰ کی ظل ہے اور خلافت علیٰ منہاج نبوت ہے تو پھر خلافت احمدیہ کو بادشاہت کیوں حاصل نہیں؟

جواب:۔ اس سوال کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

’’ہاں ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ خلیفہ اپنے پیش رو کے کام کی نگرانی کے لئے ہوتا ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ کے خلفاء ملک و دین دونوں کی حفاظت پر مامور تھے کیونکہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی دونوں بادشاہتیں دی تھیں لیکن مسیح موعودؑ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا جمالی ظہور ہوا صرف دینی بادشاہ تھا اس لئے اس کے خلفاء بھی اسی طرز کے ہوں گے۔‘‘

(کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 13)

سوال نمبر 7:۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلافت موعودہ جس کا اس آیت استخلاف میں ذکر ہے محض اس خلیفہ کے متعلق ہے جو نبی کے معاً بعد آتا ہے نہ کہ خلفاء کے ایک لمبے سلسلہ کے متعلق؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ اپنی تقریر بعنوان خلافت راشدہ میں فرماتے ہیں:

’’رسول کریم ﷺ نے خود چاروں خلافتوں کو خلافت راشدہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں عَنْ سَفِیْنَۃَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اَلْخِلَافَۃُ ثَلَاثُوْنَ سَنَۃً ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا یعنی حضرت سفینہؓ کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد خلافت صرف تیس سال ہوگی اس کے بعد ملوکیت قائم ہو جائے گی۔ اور چاروں خلفاء کی مدت صرف تیس سال ہی بنتی ہے۔ پس جب آنحضرت ﷺ خلافت کو چاروں خلفاء تک لمبا کرتے ہیں تو کسی دوسرے کا کیا حق ہے کہ اسے پہلے خلیفہ تک محدود کرے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس خیال کو ’’سرالخلافہ‘‘ میں بیان فرمایا ہے مگر یہ درست نہیں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ شیعوں کے رد میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصل جانشین حضرت علیؓ تھے۔ آپؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خلافت کا وعدہ قرآن کریم کی آیت وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ میں ہے اور اس میں جو شرائط پائی جاتی ہیں وہ بدرجہ کمال حضرت ابوبکرؓ میں پائی جاتی ہیں۔

پس آپؑ کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن کریم سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حضرت علیؓ کی خلافت سے زیادہ ثابت ہے نہ یہ کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ تھے۔ آپؑ نے اپنی کتب میں چاروں خلفاء کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت کا بھی ذکر کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے خلیفہ کی خلافت ثابت ہو جائے تو دوسرے کی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ جب پہلے خلیفہ ہوئے اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا اور مسلمانوں سے مشورہ کر کے انہیں خلیفہ مقرر کیا۔

سوال نمبر 8:۔ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے لیکن اس کے عملی اظہار کے لئے انتخاب کو ضروری قرار دیا ہے تو اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے لئے تو یہ طریق نہیں اپنایا گیا بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں ہی انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے لئے بھی معروف طریق نہیں اپنایا گیا بلکہ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی میں ہی 7,6 افراد پر مبنی ایک کمیٹی تشکیل دے دی تھی اور ساتھ ہی یہ پابندی بھی لگا دی تھی کہ ابن عمرؓ کے علاوہ دیگر کمیٹی کے افراد اپنے سے کسی کو متفقہ طور پر خلیفہ منتخب کریں گے۔ لہٰذا ان دونوں خلفاء کے لئے مروجہ طریق انتخاب عمل میں نہیں لایا گیا۔

جواب:۔ اس سوال کا جواب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے اپنی کتاب سیرۃ خاتم النبیین میں یوں فرماتے ہیں:

’’اس شبہ کے جواب میں پہلے ہم حضرت عمرؓ کی خلافت کے سوال کو لیتے ہیں۔ سو جاننا چاہئے کہ بے شک اسلام میں خلافت وامارت کے قیام کے لئے مشورہ اور انتخاب کا طریق ضروری ہے مگر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مشورہ اور انتخاب کے طریق کی نوعیت اور اس کی تفصیل کے متعلق اسلام نے کوئی خاص شرط یا حد بندی مقرر نہیں کی بلکہ اس قسم کے فروعی سوالات کو وقتی حالات پر چھوڑ دیا اور ظاہر ہے کہ مختلف قسم کے حالات میں مشورہ اور انتخاب کی صورت مختلف ہوسکتی ہے اور اس اصل کے ماتحت اگر بنظر غور سے دیکھا جاوے تو حضرت عمرؓ کی خلافت کا معاملہ یوں طے ہوا تھا کہ جب حضرت ابوبکرؓ جو ایک منتخب شدہ خلیفہ تھے فوت ہونے لگے تو چونکہ اس وقت تک ابھی فتنہ ارتداد کے اثرات پوری طرح نہیں مٹے تھے اور خلافت کا نظام بھی ابھی ابتدائی حالت میں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ آئندہ خلافت کے لئے سب سے موزوں اور اہل شخص حضرت عمرؓ ہیں اور یہ کہ اگر خلیفہ کے انتخاب کو رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی طبیعت کی ظاہری سختی کی وجہ سے انتخاب میں نہ آسکیں اور امت محمدیہؐ میں کسی فتنہ کا دروازہ کھل جاوے، اہل الرائے صحابہ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا اور اس مشورہ کے بعد حضرت عمرؓ کو جن کا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا بلکہ قبیلہ تک جدا تھا اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ حالانکہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے اپنے صاحبزادے اور دیگر اعزہ واقارب کثرت کے ساتھ موجود تھے۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ صورت ایسی ہے کہ اسے ہرگز مشورہ اور انتخاب کی روح کے منافی نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ اول تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ خود بخود نہیں کیا بلکہ اہل الرائے صحابہ کے مشورہ کے بعد کیا تھا۔ دوسرے حضرت ابوبکرؓ خود ایک منتخب شدہ خلیفہ تھے جس کی وجہ سے گویا ان کا ہر فیصلہ قوم کی آواز کا رنگ رکھتا تھا اور پھر انہوں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ ایک بالکل غیر شخص کو خلیفہ بنایا جس کے معاملہ میں یہ امکان نہیں ہوسکتا تھا کہ لوگ خلیفہ وقت کی قرابت کا لحاظ کر کے مشورہ میں کمزوری دکھائیں گے۔ اس صورت میں ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ مشورہ اور انتخاب کے طریق کو توڑا گیا ہے۔ بلکہ یہ صورت بھی درحقیقت مشورہ کی ایک قسم سمجھی جائے گی۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق آنحضرت ﷺ کی ایک صریح پیشگوئی بھی تھی۔ جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو ان کی خلافت پر اعتراض نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہوا۔ بلکہ سب نے کمال انشراح کے ساتھ اسے قبول کیا۔

دوسرا سوال حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ہے۔ سو اوّل تو ان کا انتخاب خود محدود مشورہ سے ہی ہوا ہو مگر بہرحال وہ بطریق مشورہ تھا اور ان کی خلافت کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سابقہ خلیفہ کے حکم سے قائم ہوئی تھی اور چونکہ اسلام نے مشورہ اور انتخاب کے طریق کی تفاصیل میں دخل نہیں دیا بلکہ تفاصیل کے تصفیہ کو وقتی حالات پر چھوڑ دیا ہے اس لئے محدود مشورہ کا طریق جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے متعلق اختیار کیا گیا وہ ہرگز اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ اس بات کو بھی مدنظر رکھا جاوے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو اس شوریٰ کے صدر تھے جس نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا فیصلہ کیا اپنے طور پر بہت سے اہل الرائے صحابہ سے مشورہ کر لیا تھا اور رائے عامہ کو ٹٹولنے کے بعد خلافت کا فیصلہ کیا گیا تھا اور پھر یہ کی اس وقت حالات ایسے تھے کہ اگر اس معاملہ کو کھلے طریق پر رائے عامہ پر چھوڑا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی فتنہ کی صورت پیدا ہو جاتی۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ نے یہ بھی تصریح کر دی تھی کہ گو میرے لڑکے کو مشورہ میں شامل کیا جاوے۔ مگر اسے خلافت کا حق نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کی خلافت کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی تھی۔ اس لئے ان کی خلافت پر کسی مسلمان کو اعتراض نہیں ہوا۔

(سیرۃ خاتم النبیین از حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم۔ اے صفحہ 45-46)

(باقی آئندہ بروز ہفتہ ان شاء اللہ)

ثمرہ خالد۔ جرمنی

ناصرات کارنر

نبی کا احترام

پیاری ناصرات! حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان کرتی ہیں ہمارے بچپن میں ایک کھلونا آتا تھا ”لک اینڈ لاف“ دوربین کی صورت کا۔ اس میں دیکھو تو عجیب مضحکہ خیز صورت دوسرے کی نظر آتی تھی۔ جب یہ کھلونا لاہور سے کسی نے لا کر دیا آپ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو یہ چیز میں نے دکھائی۔ آپ نے دیکھا اور تبسم فرمایا کہا:

”اب جاؤ! دیکھو! اور ہنسو کھیلو، مگر دیکھو یاد رکھنا میری جانب ہرگز نہ دیکھنا“

سب والدین بچوں کو تہذیب سکھاتے ہیں مگر یہ ایک خاص بات تھی اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی مؤدب بن کر بھی آتا ہے اور خود اس کو اپنا ادب بھی اپنی ذاتی شخصیت کے لئے نہیں، بلکہ اس مقام کی عزت کے لئے جس پر اس کو کھڑا کیا گیا، اس ذاتِ پاک و برتر کے احترام کی وجہ سے جس نے اس کو خاص مقام بخشا۔ جس کی جانب سے وہ بھیجا گیا، سکھانا پڑتا ہے۔

(مبارکہ کی کہانی مبارکہ کی زبانی صفحہ نمبر 3)

بُری خبر پہنچانے سے اجتناب

ایک دفعہ صوفی غلام محمد صاحبؓ مرحوم غالباً علیگڑھ میں پڑھتے تھے کسی امتحان شاید بی-اے میں فیل ہوئے۔ خبر آئی آپؑ نے افسوس سے ذکر فرمایا میں پاس بیٹھی تھی میں سن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپؑ نے فراست سے میرا ارادہ بھانپ لیا اور فرمایا: ”تم عائشہ کو (بیوہ مولوی عبدالکریم جن سے ان کا نکاح ہو چکا تھا منسوب تھیں) بتانے جا رہی ہو۔ یہ بُری خبر ہے تم کیوں بُری خبر بتاؤ کوئی اور بتا دے گا“

وہ دن اور آج کا دن ہمیشہ بُری خبر کسی کو پہنچانے سے اجتناب کیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹیوں سے نازبرداری

حضرت اماں جانؓ بہت زیادہ شفقت اور محبت فرماتی تھیں مگر آخر ماں تھیں وہ تربیت اپنا فرض جانتی تھی کبھی کبھی کہتی تھیں کہ اتنی نازبرداری لڑکیوں کی ٹھیک نہیں ہوتی۔ نہ معلوم کسی کی قسمت کیسی ہو۔ آپ علیہ السلام فرماتے:

”تم فکر نہ کرو خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے“

یہ بھی فرماتے: ”کہ لڑکی ہے آخر ہمارے پاس چند دن کی مہمان ہے، یہ کیا یاد کرے گی“۔

آنکھ کھلنے پر دعا

میں بچہ تھی بالکل چھوٹی، جب بھی آپؑ نے مجھے کہا اور شاید کئی بار کہ ”جب تم آنکھ کھلے کروٹ لیتی ہو اس وقت ضرور دعا کر لیا کرو“

میں اٹھ نہ سکوں، بیمار ہوں، کچھ ہو یہ عادت میری اب تک قائم ہے دعا کرتے کرتے درود پڑھتے نیند آجاتی ہے پھر آنکھ کھلے تو وہی سلسلہ۔ یہ سب آپ علیہ السلام کے الفاظ کی برکت ہے۔

(مبارکہ کی کہانی مبارکہ کی زبانی صفحہ نمبر 5-7)

م م محمود

سو سال قبل کا الفضل

18 ستمبر 1922ء یوم پنج شنبہ (جمعرات) مطابق 25 محرم الحرام 1341 ہجری

صفحہ اول پر حضرت مصلح موعودؓ کی بوجہ کمر درد علالت کا ذکر ہے اور اسی کے ذیل میں تحریر ہے کہ باوجود علالت کے حضورؓ نمازوں میں تشریف لاتے ہیں۔ اسی علالت کے باعث 15 ستمبر کا خطبہ جمعہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ نے پڑھا۔

صفحہ اول پر ہی ”امریکہ میں تبلیغ احمدیت“ کے عنوان سے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں آپؓ نے تبلیغی مساعی کے تحت تین افراد کے قبولیتِ اسلام کا ذکر فرمایا ہے۔ نیز آپؓ نے مسجد شکاگو کی تکمیل کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ آپؓ لکھتے ہیں کہ ”ہماری مسجد بفضلہ تعالیٰ مکمل ہو چکی ہے۔ تار گھر میں ہم نے اپنا نام رجسٹر کرا لیا ہے۔ ”المسجد شکاگو“ صرف دو لفظوں میں تار پہنچ سکے گا اور خرچ کم ہوگا۔۔۔۔ مسجد کی قیمت کی قسط جو ایک ہزار ڈالر تین ماہ کے اندر ادا کرنی تھی۔ وہ ایک ہزار ہندوستان سے آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ احباب کرام اور کارکنان نظارت کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے عاجز کی تحریر پر فوراً انتظام کر دیا۔ باقی روپیہ کا انتظام سب یہاں سے کچھ ہوا اور کچھ ہو گیا ہے۔ مسجد اور مشن ہاؤس اب سب مکمل ہیں اور باقاعدہ کام جاری ہے۔ محمد صادق عفااللہ عنہ

4448 Wabash Ave:

Chicago U.S. America”

جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؓ کی رپورٹ سے عیاں ہے کہ مذکورہ مسجد جماعتِ احمدیہ امریکہ کی اولین مسجد ہے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مسجد الصادق مسجد کہلاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آج بھی یہ خانہ خدا، خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں سے آباد ہے۔ اس مسجد کی تصویر اس مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ امریکہ میں جماعتِ احمدیہ نے سو سال قبل اس مسجد کے ذریعہ خانہ خدا کی بنیاد رکھی تھی اور اب محض خدا تعالیٰ کے فضل اور برکاتِ خلافت کے نتیجہ میں امریکہ میں 52 احمدی مساجد میں مسلمان خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ الحمدللہ تعالیٰ

صفحہ نمبر 3-4 اور 5 پر ایک مضمون ”1340 ہجری بھی گزر گیا غیر احمدیوں کے ”امام مہدی“ کہاں ہیں“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

صفحہ نمبر 5 پر ایک مضمون ”خواجہ کمال الدین صاحب کا مذہبی تنزل“ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں خواجہ صاحب کے مولوی محمد علی صاحب کو برلن سے تحریر کردہ ایک خط کا ذکر کیا گیا ہے جس میں خواجہ صاحب رقمطراز ہیں کہ ”یہاں میرے نزدیک ہر جگہ اشاعتِ اسلام سے مراد اشاعتِ علومِ اسلامیہ ہونی چاہئے اور تبدیلی مذاہب کا نام تبدیلی آراء ہونا چاہئے۔“ اخبار لکھتا ہے کہ ”چلیے چھٹی ہوئی! اشاعتِ اسلام جس کے لیے اتنا غوغا تھا اور جس کی اوٹ میں مسیح موعودؑ کا ذکرِ مبارک بھی ترک کیا گیا تھا۔ اب اس کا پردہ بھی چاک کر دیا گیا ہے اور جس بات کی ابتداء مسیح موعودؑ کا ذکر ترک کرنے سے ہوئی تھی اس کی انتہا اشاعتِ اسلام ترک کرنے پر ہو گئی۔ اناللہ۔۔۔۔“

صفحہ نمبر 6 پر ”مکتوبات امام“ کے عنوان سے حضرت مصلح موعودؓ کے بعض مکتوبات شائع کیے گئے ہیں۔ ان مکتوبات میں حضرت مصلح موعودؓ نے بعض احباب کے پوچھے گئے سوالات کے جوابات عطا فرمائے ہیں۔ سوالات درج ذیل ہیں۔

1۔ ایک صاحب نے اپنے گاؤں میں ہونے والی مخالفت کا ذکر کر کے یہ پوچھا ہے کہ کیا میں وہاں سے ہجرت کر جاؤں یا مردانہ وار مقابلہ کروں؟

2۔ تکالیف میں کیا کرنا چاہئے؟

3۔ اگر گورنمنٹ آپ کو ان خدمات کے سلسلہ میں جو آپ نے فرمائی ہیں، کوئی خطاب عطا فرمائے تو کیا آپ قبول فرمائیں گے؟

4۔ میری بیوی مدت سے بیمار ہے۔ علاج معالجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ عوام الناس کا خیال ہے کہ اس کو کسی نے سحر کیا ہوا ہے۔ حضور اس امر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

5۔ بعض لوگ حضرت مسیح موعودؑ کو ولی اور مجدد مانتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

صفحہ نمبر 7 پر ایک مضمون زیرعنوان ”اہل حدیث کا جاہلانہ اعتراض“ شائع ہوا ہے۔ اس عنوان کے تحت اخبار اہل حدیث 28 جولائی 1922ء میں کیے گئے ایک اعتراض کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔ اخبار اہل حدیث مذکورہ تاریخ کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب (سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ) نے آیت وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا کے معانی اپنی کتاب ازالہ اوہام میں جو کیے ہیں، حضرت مرزا صاحب کے تبعین نے اس کے برعکس کیے ہیں۔

مذکورہ اخبار کے مفصل ملاحظہ کے لیے درج ذیل لنک ملاحظہ فرمائیں۔

https://www.alislam.org/alfazl/rabwah/A19220918.pdf

سید ذیشان اقبال

دیوسائی اور کسارا جھیل

دیوسائی کے وسیع وعریض سبزہ زار اور ان میں پوشیدہ ایک نگینہ

قراقرم اور ہمالیہ کے سلسلہ ہائے کوہ کے درمیان واقع سطح مرتفع دیوسائی دنیا کی دوسری بلند ترین سطح مرتفع ہے۔ لہردار ڈھلوانوں پر مشتمل یہ میدان 482 مربع کلومیٹر کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دیوسائی کو 1993ء میں نیشنل پارک قرار دیا گیا۔ نیشنل پارک کا درجہ ملنے کے بعد اس کا رقبہ 3000 مربع کلومیٹر پر محیط ہوگیا۔ دیوسائی کی سطح سمندر سے اوسط بلندی 13497 فٹ ہے۔

دیوسائی گلگت بلتستان کے ضلع استور اور ضلع سکردو کے درمیان واقع ہے۔ استور سے چلم چوکی تک پختہ سڑک ہے۔ اس طرف سے دیوسائی میں داخلہ بذریعہ چھاچھر پاس ہوتا ہے جس کی بلندی 12500 فٹ ہے۔ سکردو کی طرف سے دیوسائی میں داخلہ بذریعہ علی ملک پاس ہوتا ہے جس کی بلندی 13400فٹ ہے۔ چلم چوکی سے علی ملک پاس کے درمیان کچا جیپ ٹریک ہے جس پر سفر کرتے ہوئے دیوسائی کو پار کیا جاتا ہے لیکن یہ صرف موسم گرما کے چند ماہ ہی کھلا ہوتا ہے موسم سرما کی بھاری برف باری میں دیوسائی ہر قسم کی آمد و رفت کے لیے بند رہتا ہے۔ علی ملک پاس سے سکردو تک سڑک اگرچہ پختہ ہے لیکن شکست و ریخت کا شکار ہے جس کی مرمت کا کام جاری ہے۔

لفظ دیوسائی دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ ’’دیو‘‘ اور ’’سائی‘‘ جس کا مطلب ہے دیو کا سایہ۔ دیوسائی کا سب سے بڑا ’’دیو‘‘ یہاں کا انتہائی بے اعتبار موسم ہے۔ ابھی دھوپ ہے تو اگلے چند لمحات میں بارش بلکہ برفباری بھی ہو سکتی ہے۔ ہر طرح کے موسم کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا پڑتا ہے۔ یہ وسیع وعریض میدان ایک غیر آباد علاقہ ہے۔ اس کے موسموں کی بے اعتباری نے اسے ہمیشہ سے بے آباد رکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ ایک غیر دوستانہ رویہ اور مزاج رکھنے والا میدان مشہور ہے۔

دیوسائی میں واقع جھیلوں میں مشہور ترین جھیل شیوسر ہے۔ یہ پاکستان کی تیسری بلند ترین جھیل ہونے کے ساتھ 3 کلومیٹر لمبائی اور 2.5 کلومیٹر چوڑائی کے ساتھ ایک وسیع وعریض بھی ہے جو بلتستان کی بڑی جھیلوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ جھیل جیپ ٹریک پر ہی واقع ہے۔ لفظ شیوسر دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ ’’شیو‘‘ کا مطلب اندھی اور ’’سر‘‘ جھیل کا ہم معنی ہیں۔ اس کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس جھیل میں نہ تو کہیں سے پانی آتا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی جھیل سے پانی کا اخراج ہوتا نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود جھیل کا پانی تازہ اور میٹھا ہے۔

شیوسر کے علاوہ برجی لا جھیل، دریلہ کی جھیلیں اور لچھن جھیل بھی دنیا کے سامنے آ چکی ہیں۔ دیوسائی میں ایک اندازے کے مطابق 30 سے زائد جھیلیں موجود ہیں جن میں سے بیشتر تا حال پردہ گمنامی میں ہیں۔ انہی گمنام جھیلوں میں سے ایک جھیل کو دریافت کرنے کی غرض سے ہم ایک مرتبہ پھر دیوسائی جا پہنچے۔

دیوسائی میں ایک مقام کالا پانی پر ہم نے ڈیرے ڈالے۔ یہ ایک کیمپنگ سائٹ ہے جہاں اپنے مقامی دوستوں کی وساطت سے ہم نے اپنا خیمہ لگایا۔ اگلے دو روز شیوسر جھیل اور اردگرد کی سیر کرنے میں صرف کیے تا کہ ہمارے بدن بلندی اور آب و ہوا سے ہم آہنگ ہوجائیں۔

اس دوران اپنی مجوزہ جھیل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مقامی دوستوں سے جھیل کے بارے میں معلومات دستیاب نہ ہوسکیں۔ کالا پانی کے عقب میں چند بکروال قیام پذیر تھے جن سے صرف اس قدر معلوم ہوسکا کہ وہ جھیل عام راستے سے مخالف سمت میں واقع ہے۔

کالا پانی سے ہم نے اپنے پیدل سفر کا آغاز کیا۔ ہم چار کوہ نورد تھے۔ ہمارا ایک دوست پیدل سفر نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے لیے ایک مقامی بکروال رحمان کو اس کے گھوڑے سمیت اجرت پر ساتھ لیا اور گمنام جھیل کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے۔

دیوسائی کی لہردار ڈھلوانوں میں یہ سفر بہت ہی آسان تھا۔ ہم سبزہ زاروں اور گلزاروں میں گپ شپ کرتے چلے جا رہے تھے۔ دور افق پر بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔ موسم ابر آلود ہو رہا تھا۔ ہمیں خدشہ پیدا ہوا کہ اگر بارش شروع ہوگئی تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ اور پھر وہی ہوا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ہم 14000 فٹ کی بلندی پر تھے کہ اچانک ہی بارش شروع ہوگئی لیکن یہ ہلکی تھی لہٰذا ہم نے سفر معطل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہم نے برساتیاں اوڑھ لیں۔ اس طرح بارش سے بچاؤ ہوگیا۔ بارش میں تیزی آتی گئی اور جلد ہی یہ طوفانی شکل اختیار کر گئی۔ ہم وہیں ٹھہر گئے۔

ہماری مشکلات میں تب اضافہ ہوا جب ژالہ باری شروع ہوگئی۔ گولیوں کی مانند برستے اولے ہمارے سروں پر پتھروں کی طرح پڑنے لگے۔ اب ہمارے پاس واپسی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ نقشے پر دیکھا تو ہم جھیل سے صرف 1 کلومیٹر کے فاصلے پر تھے۔ یہ راستہ زیادہ سے زیادہ 15 منٹ کا تھا لیکن یہ مقام چونکہ خط درخت (Tree Line) سے اوپر ہے لہٰذا ہمیں کسی قسم کی پناہ گاہ میسر نہ تھی۔ ناچار ہمیں واپسی کی راہ اختیار کرنا پڑی۔ 13000 فٹ کی بلندی پر پہنچے تو ژالہ باری کی زد سے باہر نکل آئے۔ بارش تا حال جاری تھی۔ ہم رحمان بکروال کے خیمے میں ٹھہر گئے۔ لکڑی کی آگ نے سردی سے تو محفوظ کیا ہی، ہمارے بھیگے ہوئے کپڑے اور جوتے بھی کافی حد تک خشک ہوگئے۔ بارش تھمی تو شام کا وقت ہو چکا تھا۔ جھیل تک رسائی کو اگلے دن تک التواء میں ڈال کر ہم واپس کالا پانی کیمپ سائٹ پر آگئے۔

اگلے دن ایک نئے جوش کے ساتھ ہم نے ایک مرتبہ پھر رخت سفر باندھا۔ گزشتہ روز جس دوست نے گھوڑے پر سواری کی تھی اس نے آج ہمارا ساتھ دینے سے معذرت کر لی۔ ہم تین کوہ نوردوں نے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور جانے پہچانے راستے پر سفر شروع کیا۔ آج موسم صاف تھا۔ ہم مسلسل چلتے رہے تا آنکہ ہم آخری چڑھائی کے دامن میں جا پہنچے۔ یہاں کچھ دیر وقفہ لیا۔ ہلکی پھلکی پیٹ پوجا کے بعد ہم پھر چل پڑے اور جلد ہی 600 فٹ کی یہ بلندی چڑھ کر چوٹی پر جا پہنچے۔ یہ مقام سطح سمندر سے 14700 فٹ بلند تھا۔

اسی بلندی کے دامن میں بہت نیچے ہمارا ہدف یعنی وہ گمنام جھیل موجود تھی۔ کالا پانی سے اس جھیل تک کا فاصلہ کم وبیش 8 کلومیٹر تھا جو ہم نے ایک گھنٹہ 45 منٹ میں طے کیا۔ ہم نے اس بلندی سے جھیل کی عکس بندی کی اور پھر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ 1000 فٹ کی بلندی اترنے کے بعد ہم جھیل کے کناروں پر اتر چکے تھے۔

اس جھیل کو مقامی بکروال کسارا جھیل کا نام دیتے ہیں لہٰذا ہم نے بھی اسے یہی نام دیا۔ یہ جھیل سطح سمندر سے تقریباً 13700 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ جھیل پر ہم نے دو گھنٹے کا وقت گزارا۔ مختلف زاویوں سے عکس بندی کی اور پھر واپسی کی راہ پکڑی۔ واپسی پر سفر چونکہ اترائی کا تھا لہٰذا ایک گھنٹے میں ہی ہم واپس کالا پانی کیمپ سائٹ پر پہنچ گئے۔ مقامی دوستوں اور سیاحوں نے ہمارا استقبال کیا اور ایک نئی جھیل تک رسائی حاصل کرنے پر ہمیں خوب پذیرائی سے نوازا۔ ہم نے بصد شکریہ ان کی یہ داد و تحسین وصول کی۔

کسارا جھیل اب پردہ گمنامی سے نکل کر دنیا کے سامنے آ چکی تھی۔ دیوسائی کی ڈھلوانوں میں پوشیدہ یہ جھیل اگرچہ رقبے کے اعتبار سے بڑی نہیں لیکن اپنے ماحول اور خوبصورتی کے لحاظ سے منفرد ضرور ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اسیرانِ راہ مولا کے لئے دعائیں

مکرمہ صفیہ بشیر سامی۔ لندن تحریر کرتی ہیں:

محترم محمد عمر تما پوری کا مضمون ’’خطوط طاہرؒ اور اسیران راہ مولا‘‘ پڑھنے کو ملا۔ مضمون کیا تھا کہ دُکھے دل کے تمام تار ہلا دیئے۔ آنکھوں کے آگے وہ تمام آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے آ گئے۔ کیا دن تھے اور کیا وہ دعائیں تھیں، لفظوں میں اظہار کرنا ناممکن ہے۔ اُس زمانے کے جذباتی جلسے اور جمعہ خطبہ یاد آ گئے اُن دِنوں میں ہم فضل مسجد کے بالکل قریب رہتے تھے اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے کہ پیارے حضورؒ کی کوئی تقریر ہو یا سوال جواب کی محفل ہو یا جلسہ کیونکہ ہر موقعہ پر اسیران راہ مولا کے لئے دعا کی تحریک ہوتی اور حضورؒ کی رندھی ہوئی گلوگیر آواز ہوتی جس سے سب سننے والوں کی گریہ زاری اور سسکیاں ہوتیں۔ اسیرانِ راہ مولا کا ذکر ہوتا تو حضورؒ کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ جاتا خاص طور پر جلسہ سالانہ کے دنوں میں وہ پیارے آقاؒ خود صبر کے گھونٹ پیتے ہوئے جذباتی انداز میں لوگوں کو تسلیاں دینا اب بھی سوچ کر دل دہلا دیتے ہیں۔ لیکن سچی بات یہی ہے کہ اُس وقت کی گریہ زاری اور دعاؤں میں جو مزا اور لطف تھا اُس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اُن بہتے آنسوؤں سے کی ہوئی دعاؤں سے بہت سکون ملتا تھا۔

عصمت اللہ صاحب کی درد بھری آواز آج بھی جب کانوں میں یہ نظم پڑھتے گونجتی ہے تو آنسو روکے نہیں رُکتے۔

جو درد سسکتے ہوئے حرفوں میں ڈھلا ہے
شاید کہ یہ آغوش جدائی میں پلا ہے
میں تجھ سے نہ مانگوں تو نہ مانگوں کا کسی سے
میں تیرا ہوں تو میرا خدا میرا خدا ہے

الحمد للہ پیارے حضورؒ کی پُرسوز دعاؤں اور گریہ زاری کے ساتھ ساری جماعت احمدیہ کی دعائیں بھی شامل تھیں۔ مجھے وہ مبارک گھڑی اور جلسہ آج بھی یاد ہے جب محترم الیاس منیر اور اُن کے ساتھیوں کو دس سال کی اسیری کے بعد باعزت رہائی ملی جب جلسہ سالانہ پر پیارے حضور خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی پھولوں کے ہاروں کے ساتھ بغلگیر ہونے پر نعرہ ہائے تکبیر اور اللہ اکبر کے پُرجوش ولولہ انگیز مناظر بھلائے نہیں جا سکتے۔

الحمد للہ ہماری احمدیہ جماعت پر جب بھی کوئی مشکل گھڑی آئی پوری جماعت نے اپنے خلیفہ وقت کی شفقت اور دعاؤں سے بھرپور مقابلہ کیا۔ دعا کرتی ہوں اب بھی دنیا کے کسی بھی ملک میں جو ہمارے اسیران ہیں اللہ اُن سب کی جلد رہائی کے سامان پیدا کرے اور سب اسیران اپنے گھروں میں اپنے پیاروں کے پاس آ جائیں۔ اللہ ہماری پیاری جماعت کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین اللّٰھم آمین

رپورٹ: حنیف احمد محمود۔ برطانیہ

جماعت احمدیہ برطانیہ کی طرف سے

جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے مرکزی نمائندگان کے اعزاز میں عشائیہ اور ایک مشاعرہ کا انعقاد

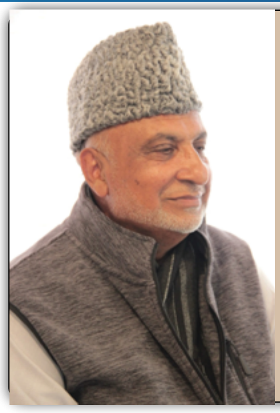

مکرم رفیق احمد حیات امیر جماعت احمدیہ برطانیہ نے جماعت برطانیہ کی طرف سے مورخہ 13 اگست 2022ء کی شام کو طاہر ہال بیت الفتوح مارڈن میں جلسہ سالانہ برطانیہ پر آنے والے مہمانوں کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ ہال کو خوبصورت جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ دعوت سے قبل مہمانوں کے اعزاز میں ایک مشاعرہ کا بھی انعقاد ہوا۔ اس مبارک تقریب کے مہمان خصوصی مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان تھے جبکہ میز بانی کے فرائض مشہور زمانہ شاعر جناب مبارک صدیقی صاحب نے ادا کیے۔ وقت کی مناسبت سے درج ذیل تین شعراء نے اپنا کلام پیش کیا۔ ہر تین شعراء نے ایک ایک نظم اور ایک ایک غزل پڑھ کر سامعین کو محظوظ کیا۔

1: جناب ڈاکٹر طارق انور باجوہ (لندن)

2۔ جناب میر انجم پرویز (یو کے)

3۔ جناب مبارک احمد عابد (امریکہ) شامل تھے

ہر تین شعراء کے کلام کے دوران جناب مبارک صدیقی اپنے مزاج کے طریق کو جاری رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے رہے: جیسے آپ نے شعراء میں اپنے یہ شعر پڑھ کر سنائے:

ستارہ بن کے رہو یا کسی دیئے میں رہو
کسی بھی رنگ میں جگمگ سے سلسلے میں رہو

ہر ایک عزت و رفعت ہے خاکساری میں
سو چاند چھو کے بھی مٹی سے رابطے میں رہو

ہزار بھیڑیے پھرتے ہیں کاٹ کھانے کو
سو عافیت ہے اسی میں کہ قافلے میں رہو

پھر آپ نے ایک وقفہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے آپریشن کے دوران کہی ہوئی نظم سے چند اشعار پڑھ کر جہاں سامعین سے داد سمیٹی وہاں خلیفۃ المسیح کے لیے دعاؤں کے سامان مہیا فرمائے۔ وہ قطعہ یوں تھا۔

اے مرے خدا مرے چارہ گر اسے کچھ نہ ہو
مجھے جاں سے ہے وہ عزیز تر اسے کچھ نہ ہو

اے مرے خدا بڑی دھوپ ہے مَری عرض سُن
مِرے سر پہ ہے وہی اک شجر اسے کچھ نہ ہو

جو نگہ پڑی تھی مِری حرم کی حُدود پر
تو کہا تھا خالق بحر و بر اسے کچھ نہ ہو

اے غنیمِ جاں چلو آج تجھ سے یہ طے ہوا
مجھے زخم دے بھلے عمر بھر اسے کچھ نہ ہو

قارئین کو ساتھ رکھنے کے لیے یہاں تینوں شعراء کے کلام سے چیدہ چیدہ چند حصے پیش ہیں۔

کلام جناب ڈاکٹر طارق انور باجوہ

غزل

مطمئن دل ہوا سا لگتا ہے
اُس کا کچھ تذکرہ سا لگتا ہے

آئی اس کی گلی سے ہو کے صبا
گھر معطّر ہوا سا لگتا ہے

کیسی طاری غنودگی ہے یہ
خواب کا تجربہ سا لگتا ہے

اس نے سپنوں میں آنا ہو شاید
در کا پردہ ہِلا سا لگتا ہے

ہے یدُاللہ، ان کے ہاتھوں پر
ہاتھ اس کا، خدا سا لگتا ہے

دیکھ کر اس کو ہم ہوئے مدہوش
نشّہ ایسا چڑھا سا لگتا ہے

اُس کو دیکھا ہے ساری دنیا نے
سب کا وہ رہنما سا لگتا ہے

ہم تو قائل تھے پہلے ہی طارق
اب عدو بھی جھکا سا لگتا ہے

غزل

آپ آئیں گے اگر دل میں تو راحت ہو گی
اس سے کیا اور بڑی پھر کوئی جنّت ہوگی
لفظ محتاج اگر ہوں بھی زباں دانی کے
وہ سمجھ لے گا اشارے، جو محبّت ہو گی

وہ مجھے خود سے جُدا کر کے تو پچھتائے گا
اُس کو بھی میری طرح اپنی ضرورت ہو گی

میں نے یہ سوچ کے جذبات پہ قابو رکھا
ایک آنسو بھی گرے گا تو ندامت ہو گی

ہم تو مل جل کے کبھی روتے کبھی ہنستے تھے
ہم پہ رونے کی، کسے دہر میں فرصت ہو گی

پوچھنے آتے رہے لوگ تو بیماری میں
ہاں مگر اس کے بنا کیسے عیادت ہو گی

کبھی بن جا تا ہے مجبوری یہ چپ رہنا بھی
کھول دی ہم نے زباں گر تو شکایت ہو گی

حشر کے روز بھلا کون کہے گا مجھ سے
تم کو معلوم تھا طارق کہ، قیامت ہو گی

کلام جناب میر انجم پرویز

غزل

تجھ سے کچھ اِس طرح ہوں وابستہ
روح جیسے بدن میں پیوستہ
پیار کی اک نظر مری قیمت دیکھ!
میں کس قدر ہوا سَستا
دام پھیلا رکھے ہیں کیوں اتنے
طائرِ دل تو آپ ہے پھنستا
زیست کی ڈور ٹوٹ بھی جائے
عشق سے پر نہ ہوں گے وارستہ
مقتلِ حسن کو چلا ہوں مَیں
جاں بکف، مستعد، کمر بستہ
میں نے حق بات کی سر محفل
بر محل، بے دریغ، برجستہ
تم ہو رہبر تو پھر مجھے کیا غم
کتنا مشکل ہے عشق کا رستہ!
اِس کو سودائے دشتِ دامن ہے
اشک دل کے نگر نہیں بستا
ہے نشاطِ غمِ وفا بھی عجیب
دل کبھی روتا ہے، کبھی ہنستا
چشمِ گلباز زخم زخم ہوئی
جب سجا اشک اشک گلدستہ
کتنی راتوں کو پائمال کیا
تب کھلا رازِ عشق سربستہ

تلاش

اکیلے بیٹھ کر جب بھی
دریچہ فکر کا کھولوں
میں اپنے آپ سے بولوں
صبا خوشبو گلابوں کی
چُرا لاتی ہے گلشن سے
شعاعیں نور کی
باطن کے آئینے پہ
آپڑتی ہیں روزن سے
تو اس عالم میں اک چہرہ
حجابوں سے نکل کر
دل کے آنگن میں اُترتا ہے
ہزاروں قافلے یادوں کے
اُس کے ساتھ آتے ہیں
ولے بالایں ہمہ
کتنے ہی اندیشوں کو
اپنے ساتھ لاتے ہیں
وہ اک چہرہ
کبھی جو چاند بن کر مسکراتا ہے
مری راتوں کی تاریکی مٹاتا ہے
کبھی صدہا ستاروں کی طرح وہ ٹمٹماتا ہے
سر نوکِ مژہ یوں جھلملاتا ہے

وہ اک چہرہ

کبھی بادل، کبھی باراں
کبھی وصلت، کبھی ہجراں
کبھی مشکل، کبھی آساں
وہ ہر اک رنگ میں، ہر آن
یہاں بھی وہ، وہاں بھی وہ
اور ان کے درمیاں بھی وہ
میں جاتا ہوں جہاں بھی، وہ
نہاں بھی وہ، عیاں بھی وہ
وہی شاعر کے آوارہ خیالوں میں
وہی صحرا کے بے رہرو غزالوں میں
حسینوں کے حسیں شب رنگ بالوں میں
شفق میں،سرخیٔ رخسار و لب میں
برف کے ژالوں میں، لعلوں میں
کنول نینوں،چراغوں کی لَوؤں میں
خوش گلو آوازمیں،پُر درد نالوں میں
سُروں میں اور تالوں میں
وہ اک چہرہ، وہی چہرہ
اندھیروں اور اُجالوں میں
وہ اس دنیا سے بے بہرہ نہالوں میں
وہ مظلوموں کے بے آواز نالوں میں
وہ محروموں کے لب بستہ سوالوں میں
وہ مسکینوں کی آہوں میں
مسافر کی دعاؤں میں
وہ مضطر کی کراہوں میں
وہ شاہوں میں نہ میروں میں
نہ پیروں اور فقیروں میں
نہ وہ دنیا کے کیڑوں میں
نہ خواہش کے اسیروں میں
وہ عاشق کے دلِ صادق میں
وہ زندہ ضمیروں میں
وہ یعنی سُچے ہیروں میں

میں!؟

میں ہر دم اپنے خوابوں میں
کبھی کھویا ہوا رہتا ہوں
منطق کی کتابوں میں
سوالوں اور جوابوں میں
کبھی میں فلسفے میں گم
حقیقت یا سرابوں میں!؟
کبھی دریا کی موجوں سے میں لڑتا ہوں
کبھی صحرا کے ذرّوں سے جھگڑتا ہوں
کبھی سورج کی کرنوں کو پکڑتا ہوں
کبھی پھولوں کی خوشبو سے بگڑتا ہوں
سنورتا یا اُجڑتا ہوں!؟
کبھی اپنا گریباں چاک
کبھی تسخیر ہفت افلاک
میں کس کس در کی چھانوں خاک
میں کیا ہوں جُز خس وخاشاک
میں کس کس وہم میں غلطاں
کبھی بر بینش و دانش
کبھی علموں کی گوں نازاں
گہے دل کی طرح غمگیں
تو گاہے آنکھ سُوں حیراں
کبھی در دشت بھی آباد
کبھی شہروں میں بھی ویراں
یہ میرے دل کی بے تابی
یہ میری آتش سوزاں
نہ جانے کس کی ہے جویاں!؟

کلام جناب مبارک احمد عابد

آؤ! میرے چاند کی تم بھی پذیرائی کرو
رنگ بادل تو دھنک بکھرا کے رخصت ہوگیا
تم یہی کہتے رہو ساون ابھی آیا نہیں
اس شکستہ ناؤ کے بندے بچانے کے لئے
ہم تو گھبرائے ہیں لیکن وہ تو گھبرایا نہیں
وہ جو رویا ساتھ اس کے آسماں بھی رو پڑا
وہ ہنسا تو کیا زمیں پر بھول رت لایا نہیں
ہر کسی منڈیر پر اس نے تو دیپک رکھ دیا
تم نے آنکھیں موندھ لیں تم کو نظر آیا نہیں
کیا خدا نے اس کی خاطر اک معین وقت پر
آسماں پر چاند اور سورج کو گہنایا نہیں
اس کی رخشندہ صداقت کے نشاں کے ظہور پر
معجزوں پر معجزہ کیا اس نے دکھلایا نہیں
اس نے صحرا کو چمن زادوں جوبن دے دیا
تم نے جس کے سامنے دامن ہی پھیلایا نہیں
تم نے خود چہروں پہ غفلت کی ردائیں اوڑھ لیں
ورنہ سورج پر تو بادل کا کوئی سایا نہیں
کتنی حیرت ہے کہ تم نے اس کی دستک پہ
کون ہے جس کو کہ اس نے فیض پہنچایا نہیں
آؤ! میرے چاند کی تم بھی پذیرائی کرو
تم نے اڑتے جگنوؤں سے نور تو پایا نہیں
ہر مسافت کے لئے عابدؔ وہ منزل کا سراغ
اور ہر ظلمت کدے میں ہے وہی روشن چراغ

غزل

اک اداسی لئے یہ روح پیاسی لئے لٹ گئی زندگی اور میں چپ رہا
عالم یاس میں غم کے احساس میں ہر مصیبت سہی اور میں چپ رہا
شہر کی چیختی زندگی نے تجھے نام لاکھوں دیئے اک تمہارے لئے
کوئی دیوانہ ہے ایک پروانہ ہے میں نے سب کی سنی اور میں چپ رہا
گم سدا میں رہا درد کے شہر میں ڈوبتا ہی گیا سوز کی لہر میں
سانس گھٹتا رہا دل تڑپتا رہا روح چلتی رہی اور میں چپ رہا
میرے چاروں طرف غم کی تاریکیاں مجھ کو ڈستی رہیں مجھ پہ ہنستی رہیں
سوچتا رہ گیا میں کہوں بھی تو کیا قصۂ بے رخی اور میں چپ رہا
اف میرے ساقیا کیا کروں میں بیاں اپنی محرومیاں اپنی ناکامیاں
تیری محفل میں بھی کچھ نے آنکھوں سے پی کچھ نے ساغر سے پی اور میں چپ رہا
اک گہوارہ رنج و غم بن گئی تیرے بن یہ خدائی الم بن گئی
پوچھتے رہ گئے لوگ عابدؔ تجھے کیوں ہے چپ سی لگی اور میں چپ رہا

مشاعرہ کے اختتام پر صدر مجلس نے دعا کروائی اور عشائیہ پیش ہوا۔

حاضرین نے نمازیں مغرب و عشاء 9 بجے بیت الفتوح میں مکرم مولانا نسیم احمد باجوہ امام مسجد کی اقتداء میں ادا کیں۔

DAILY ONLINE
ALFAZL
LONDON

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ادارہ کا مضمون نویسوں، تبصرہ و مراسلہ نگاروں کے خیالات اور آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

مرسلہ: ذیشان محمود۔ مربی سلسلہ سیرالیون

تخمینہ Estimate کی اہمیت

ہمارے کاموں کے اندر علمیت، افادیت اور ایثار پایا جانا چاہیئے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

پس ہر کام کے لئے ضروری ہے کہ اُسے شروع کرنے سے پہلے اس کا اندازہ لگایا جائے۔ پھر ضروری ہے کہ اس کے سامان کو دیکھا جائے کہ آیا وہ موجود ہیں۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ ان کو مناسب وقت اور مناسب جگہ پر مہیا کرنے کے سامان موجود ہیں یا نہیں۔ جب یہ اندازہ لگ جائے اور حساب سے معلوم ہو جائے کہ ہر چیز مکمل ہے تو پھر دیانتداری سے کام کرو۔ حساب میں بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں مگر یہ نہیں ہوتا کہ تین کا پانچ ہو جائے یا پانچ کا تین ہو جائے۔ اندازے کے بعد بڑی غلطی تبھی ہو گی جب تم بد دیانتی اور سُستی کرو گے۔ یا تو تمہارا اندازہ غلط ہو گا اور یا کام غلط ہو گا۔ اندازہ لگانے میں فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس کو مجرم بنا سکتا ہے اور ثابت کرسکتا ہے کہ اس نے جو کہا تھا یا تو وہ غلط تھا اور یا اس نے اپنے عمل کے ساتھ اسے پورا نہیں کیا۔ یہی چیز اِس وقت مغرب کی کامیابی اور مشرق کی ذلت کا باعث ہو رہی ہے۔ یورپ کے لوگ کام شروع کرنے سے پہلے اس کا اسٹیمیٹ (Estimate) لگاتے ہیں۔ پھر وہ دیکھتے ہیں کہ وہ سامان جن کے ساتھ کام پورا ہو گا موجود ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد وہ پوری دیانتداری کے ساتھ کام کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب ان کا ناکام ہونا ان کی ذلت کا موجب ہے۔ گویا ان کا خدا تعالیٰ کو نہ ماننا ان کے لئے فائدہ بخش ہو گیا ہے اور ہمارے لئے اس کا ماننا ذلت کا موجب ہو گیا ہے۔ کیونکہ یورپین لوگ اگر کسی کام میں ناکام ہو جائیں تو وہ یہ نہیں کہتے کہ خدا تعالیٰ نے یوں کر دیا ہے وہ تو خدا تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں۔ لیکن ایک مسلمان خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے بے ایمانی کرتا ہے اور کہتا ہے میں نے تو پورا زور لگایا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے۔ گویا دنیا میں نور اور ظلمت کی جو دو طاقتیں ہیں ان میں سے نور کی طاقت یہ مسلمان ہیں اور ظلمت کی طاقت خدا تعالیٰ ہے۔ (نعوذ باللہ) شیطان کا جو کام تھا وہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جو خدا تعالیٰ کا کام تھا وہ اپنی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی ہتک ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ امید رکھے کہ خدا تعالیٰ اس کی مدد کرے گا تو یہ اس کی حماقت ہو گی۔ آخر وہ اس کی کیوں مدد کرے گا جب وہ تمام خرابیاں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو اُس شخص کی مدد کرتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کہتا ہے میں اپنی غلطیوں سے بیمار ہوتا ہوں اور خدا تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے۔ اس کے کام کا اگر نتیجہ اچھا نکل آتا ہے تو وہ کہتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ خدا تعالیٰ نے یوں کر دیا۔ اور جب نتیجہ خراب نکلتا ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھتا ہے کہ میں اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ناکام رہا۔ اور برکت اُسی کو ملتی ہے جو عیب اپنی طرف اور خوبی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے میرے اس بندہ نے عیب اپنی طرف منسوب کیا ہے اور خوبی میری طرف منسوب کی ہے میں اس کا کام اچھا کر دوں تا خوبیاں میری طرف منسوب ہوں۔ اور جب کوئی ایسا نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ میں ایسا کیوں کروں۔ کافر کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب اُسے کوئی برکت ملتی ہے تو وہ کہتا ہے یہ میری محنت کا نتیجہ ہے لیکن مومن کے متعلق آتا ہے کہ وہ تمام برکات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانتا ہے۔

پس یہ تین چیزیں یاد رکھو۔ اول اندازے کے بغیر کوئی کام نہ کیا کرو۔ ہمارے ہاں اسٹیمیٹ (Estimate) اس کو کہتے ہیں کہ بجٹ بنے۔ حالانکہ اسٹیمیٹ بجٹ کا نام نہیں۔ بجٹ کے یہ معنے ہیں کہ ہم اس حد تک خرچ کر سکتے ہیں۔ اور اسٹیمیٹ کے یہ معنے ہیں کہ اگر وہ کسی عمارت کا اسٹیمیٹ ہے تو کتنا سامان، کتنے مزدور، کتنے راج اور کتنا وقت ہمیں درکار ہے۔ دوسرے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اتنی اینٹیں مل سکتی ہیں؟ اگر مل سکتی ہیں تو کہاں سے؟ پھر اگر بنوانی ہیں تو کہاں سے بنوائی جائیں گی؟ اور اس کے لئے کتنے مزدوروں کی ضرورت ہے؟ پھر ان کو اٹھا کر

بقیہ صفحہ 7 پر

ایک سبق آموز بات

تہذیب (کلچر)

روایات و اقدار اور تہذیب (کلچر) کو زندہ رکھنا زندہ قوموں کی علامت ہے۔ لیکن بعض اوقات کلچر کو اس قدر فوقیت دی جاتی ہے کہ ان کو چھوڑنا یا مِن وعن عمل نہ کرنا گناہ متصور کیا جانے لگتا ہے۔ گویا کہ کلچر کو مذہب کے برابر درجہ دے دیا جاتا ہے۔ سو ضروری ہے کہ انسان مذہب اور کلچر کے فرق کو سمجھے تا وسیع القلبی کے ساتھ اپنے کلچر کی فرسودہ روایات کو چھوڑا اور دوسرے کلچر کی اچھی اقدار (جو مذہب سے متصادم نہ ہوں) کو اختیار کیا جا سکے۔

مرسلہ: ثمرہ خالد۔ جرمنی

طلوع وغروب آفتاب

17/ستمبر 2022ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:52	18:22
مدینہ منورہ	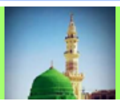	04:50	18:24
قادیان		04:51	18:32
ربوہ		04:31	18:12
اسلام آباد ٹلفورڈ	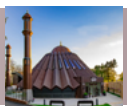	05:11	19:14

فقہی کارنر

مقدمات میں مصنوعی گواہ بنانا

ایک مختار عدالت نے سوال کیا کہ بعض مقدمات میں اگرچہ وہ سچا اور صداقت پر ہی مبنی ہو مصنوئی گواہوں کا بنانا کیسا ہے۔

(حضرت مسیح موعودؑ نے) فرمایا:۔

اوّل تو اس مقدمہ کے پیروکار بنو جو بالکل سچا ہو۔ یہ تفتیش کر لیا کرو کہ مقدمہ سچا ہے یا جھوٹا پھر سچ آپ ہی فروغ حاصل کرے گا۔ دوم گواہوں سے آپ کا کچھ واسطہ ہی نہیں ہونا چاہئے۔ یہ موکل کا کام ہے کہ وہ گواہ پیش کرے۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ خود تعلیم دی جاوے کہ چند گواہ تلاش کر لاؤ اور ان کو یہ بات سکھادو۔ تم خود کچھ نہ کہو۔ موکل خود شہادت پیش کرے خواہ وہ کیسی ہی ہو۔

(الحکم 24/ اپریل 1903 صفحہ 10)

(مرسلہ: داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ یوکے)